دعائے قربانی

﴿ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي... ﴾

والی حدیث کی تحقیق

از

ابوالفوزان کفایت اللہ السنابلی

ناشر: اسلامک انفارمیشن سینٹر، کرلا، ممبئی

دعائے قربانی

﴿إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي... الخ﴾

والی حدیث کی تحقیق

تالیف

فضیلۃ الشیخ ابوفوزان کفایت اللہ السنابلی حفظہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت ایک طویل دعا: ﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ... الخ﴾ کے الفاظ سے حدیث میں وارد ہے، اس مضمون میں اسی حدیث کی استنادی حالت پر بحث ہوگی۔

سب سے پہلے یہ واضح رہے کہ قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت دعا یا ذکر کے مختلف صیغے وارد ہیں اور کسی بھی صیغے کو پڑھ کر جانور ذبح کیا جا سکتا ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ طویل دعا یا ذکر ہی پڑھ کر ذبح کیا جائے۔ ذیل میں یہ سارے صیغے پیش کیے جاتے ہیں:

1. "بِاسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ" (اللہ کے نام پر اور اللہ سب سے بڑا ہے)۔[1]
2. "بِاسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ" (اللہ کے نام پر اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ اے اللہ! یہ تیرے فضل سے ہے اور تیرے لیے ہے)۔[2]
3. "بِاسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اللهُمَّ تَقبَّلْ مِنْ" (اللہ کے نام پر اور اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ! اسے فلاں کی طرف سے قبول فرما)۔[3]
4. "بِاسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ، اللهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ..." (اللہ کے نام پر اور اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ! یہ تیرے فضل سے ہے اور تیرے

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٦٦)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٦٦) مستخرج أبي عوانة، رقم الحديث (٧٧٩٨) وإسناده صحيح.

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٦٦) أيضاً، رقم الحديث (١٩٦٧)

لیے ہے، اے اللہ ! اسے فلاں کی طرف سے قبول فرما)۔[1]

5 ﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ [الأنعام: ٧٩]، ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ [الأنعام: ١٦٢- ١٦٣]، بِاسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ، (اللهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ)...۔ ”میں اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا یکسو ہو کر، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ یقیناً میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں، اللہ کے نام پر اور اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ! یہ تیرے فضل سے ہے اور تیرے لیے ہے، اے اللہ! اسے فلاں کی طرف سے قبول فرما۔“[2]

وضاحت:

”اللهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ“ ”اے اللہ! اسے قبول فرما فلاں کی طرف سے“ والی دعا پڑھی جائے تو ”مِنْ“ کے بعد اس شخص کا نام لیا جائے جس کی طرف سے قربانی پیش کی جا رہی ہے۔ اور اگر اس شخص کے ساتھ اس کے تمام گھر والوں کی طرف سے بھی وہی قربانی پیش کی جا رہی ہے تو اس طرح پڑھے:

---

1. صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٩٦٦) مستخرج أبي عوانة، رقم الحديث (٧٧٩٨) وإسناده صحيح، صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٦٧)
2. مسند أحمد (٣/ ٣٧٥) ط الميمنية، رقم الحديث (١٥٠٢٢) و إسناده صحيح، صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٦٧)

"اللهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ فلان و مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ"

''اے اللہ! اسے قبول فرما فلاں اور اس کے گھر والوں کی طرف سے۔''

اور اگر کوئی شخص خود اپنی طرف سے قربانی پیش کر رہا ہے تو وہ ان الفاظ کو اس طرح پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّي" ''اے اللہ! اسے میری طرف سے قبول فرما۔''

اور اگر کوئی اپنی طرف سے اور اپنے اہلِ خانہ کی طرف سے قربانی پیش کر رہا ہے تو اس طرح پڑھے:

"اللهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّي و مِنْ أَهْلِ بَيْتِي"

''اے اللہ! اسے قبول فرما میری طرف سے اور میرے گھر والوں کی طرف سے۔''

تنبیہ:

مؤخر الذکر طویل صیغے میں قرآنی آیات کے آخری حصے ﴿وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ کے تعلق سے بعض اہلِ علم نے بحث کی ہے کہ اسے ایسے ہی پڑھیں گے یا اسے "و أنا من المسلمين" پڑھیں گے۔[1]

غالباً اسی بحث سے متاثر ہو کر بعض رواۃ نے روایت کے اندر بھی اسے بدل دیا ہے اور "أول المسلمين" کو "من المسلمين" بنا دیا ہے۔[2]

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہاں ویسے ہی پڑھا جائے جیسے قرآن میں ہے، نیز ابو داود کی روایت جس میں یہ الفاظ تبدیل شدہ ہیں وہ سنداً ضعیف بھی ہے، اس کے برعکس جو صحیح روایت ہے، جس پر آگے بحث آرہی ہے، اس میں یہ الفاظ قرآن کے موافق ہی ہیں۔

---

[1] دیکھیں: أصل صفة الصلاة للألباني (١/ ٢٤٦)

[2] سنن أبي داود (٣/ ٩٥) رقم الحديث (٢٧٩٥)

درج بالا پانچوں صیغوں میں سے کسی بھی صیغے سے ذکر و دعا پڑھ کر قربانی کا جانور ذبح کیا جا سکتا ہے۔ اول الذکر چار صیغوں کی بابت کوئی اختلاف نہیں ہے، پانچویں صیغے سے متعلق متقدمین علماء میں کوئی اختلاف مجھے نہیں معلوم، البتہ معاصرین میں اس صیغے کو لے کر اختلاف ہو گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن ہماری نظر میں یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ آگے تفصیل آ رہی ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ کا رجوع:

میرے علم کی حد تک علامہ البانی رحمہ اللہ سے قبل کسی بھی محدث نے اس حدیث کو ضعیف قرار نہیں دیا۔ سب سے پہلی شخصیت جس نے اس حدیث کی تضعیف کی وہ علامہ البانی رحمہ اللہ ہی تھے۔ لیکن بعد میں علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی تضعیف سے رجوع فرما لیا اور مشکاۃ کی دوسری تحقیق میں اسے حسن قرار دیتے ہوئے لکھا:

"ثم حسنته لرواية ثلاثة من الثقات عن المعافري، و تصحيح ابن خزيمة، والحاكم، والذهبي"

"پھر میں نے اسے حسن قرار دیا، کیوں کہ اسے معافری سے تین ثقہ لوگوں نے روایت کیا ہے اور اس کی حدیث کو امام ابن خزیمہ، امام حاکم اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔"[1]

لیکن بعض اہلِ علم اب بھی اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں، اس لیے ذیل میں اس حدیث کی پوری تحقیق پیشِ خدمت ہے۔

سب سے پہلے دعائے قربانی والی روایت کو مع سند و متن دیکھتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی ۲۴۱) نے کہا:

"حدثنا يعقوب، حدثنا أبي، عن ابن إسحاق، حدثني

---

[1] هداية الرواة (۲/ ۱۲۸ حاشيه: ۲)

يزيد بن أبي حبيب المصري، عن خالد بن أبي عمران، عن أبي عياش، عن جابر بن عبد الله الأنصاري، أن رسول الله ﷺ ذبح يوم العيد كبشين، ثم قال حين وجّهما: ﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ [الأنعام: ٧٩]، ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ [الأنعام: ١٦٢- ١٦٣]، بسم الله، والله أكبر، اللهم منك، ولك عن محمد، وأمته“[1]

یہ سند بالکل صحیح ہے اور اس کے سارے راوی ثقہ ہیں، ہر ایک کا مختصر تعارف ملاحظہ ہو:

❁ یعقوب بن ابراہیم القرشی:

آپ بخاری ومسلم کے راوی اور بالاتفاق ثقہ ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”ثقة فاضل“[2]

❁ ابراہیم بن سعد الزہری:

آپ بھی بخاری ومسلم کے راوی ہیں اور بہت بڑے ثقہ ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”ثقة حجة“[3]

❁ محمد ابن اسحاق القرشی:

آپ بھی بخاری (تعلیقاً) ومسلم (شواہد و متابعات) کے راوی ہیں، البتہ

---

[1] مسند أحمد (٣/ ٣٧٥) ط الميمنية، وإسناده صحيح، ومن طريق أحمد أخرجه الحاكم في المستدرك (١/ ٤٦٧) والبيهقي في الدعوات الكبير (٢/ ١٧٢)، وأخرجه أيضا ابن خزيمه في صحيحه (٤/ ٢٨٧) رقم (٢٨٩٩) من طريق أحمد بن الأزهر عن يعقوب به.

[2] تقريب التهذيب لابن حجر، رقم الحديث (٧٨١١)

[3] مقدمة فتح الباري (ص: ٣٨٥)

بخاری میں آپ کی مرویات تعلیقاً ہیں، آپ کے بارے میں اہلِ فن کے اقوال مختلف ہیں، لیکن راجح قول کے مطابق آپ ثقہ ہیں۔ امام شعبہ جیسے جلیل القدر محدث نے انھیں ''امیر المومنین فی الحدیث'' کہا ہے۔[1]

امام خلیلی فرماتے ہیں: ''عالم واسع العلم ثقة''[2]

کمال الدین ابن الہمام حنفی (المتوفی ۸۶۱) نے کہا:

''أما ابن إسحاق فثقة ثقة لا شبهة عندنا في ذلك ولا عند محققي المحدثين''[3]

آپ مدلس ہیں لیکن ابراہیم بن سعد الزہری سے مذکورہ سند میں انھوں نے سماع کی صراحت کر دی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ابن اسحاق نے یہ حدیث اپنے استاذ سے سن رکھی ہے۔ اس تصریحِ سماع پر بدر بن عبد اللہ البدر صاحب نے ایک عجیب اعتراض کیا ہے کہ ابن اسحاق کے دیگر شاگردوں نے سماع کی صراحت کے بجائے ابن اسحاق سے عن سے روایت کیا ہے۔

عرض ہے:

اولاً: یہ اعتراض اس وقت درست ہوسکتا ہے جب یہ ثابت کر دیا جائے کہ ابن اسحاق سے سارے شاگردوں نے ایک ہی مجلس میں سنا ہے، کیوں کہ ایک ہی مجلس میں ابن اسحاق کوئی ایک ہی صیغہ بیان کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر شاگردوں نے الگ الگ مجلس میں سنا ہو تو پھر ابن اسحاق کسی کو بصیغہ ''عن'' بیان کر سکتے ہیں اور کسی کو بصیغہ سماع، اور ایسی صورت میں مخالفت ثابت ہی نہیں ہوگی۔ بلکہ

[1] تاريخ بغداد، مطبعة السعادة (١/ ٢٢٨) وسنده صحيح.

[2] الإرشاد في معرفة علماء الحديث للخليلي (١/ ٢٨٨)

[3] فتح القدير للكمال ابن الهمام (١/ ٢٤٢)

[4] الدعوات الكبير للبيهقي (٢/ ١٧٢ حاشيه)

یہ مانا جائے گا کہ ابن اسحاق نے یہ حدیث اپنے استاذ سے سنی ہے، پھر کبھی صیغہ سماع سے اور کبھی ''عن'' سے۔ اور مدلس کا اپنی مسموع روایت کو صیغہ عن سے بیان کرنا صیغہ سماع سے بیان کرنے کے منافی نہیں ہے۔

لہٰذا جب اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ ابن اسحاق کے سارے شاگردوں نے ایک مجلس میں سنا ہے تو پھر بغیر کسی ثبوت کے ایک ثقہ شاگرد کے بیان کو غلط نہیں قرار دیا جاسکتا، بلکہ سارے ثقہ شاگردوں کے بیان میں یہ کہہ کر تطبیق دی جائے گی کہ ابن اسحاق نے کسی مجلس میں ''عن'' سے بیان کیا ہے اور کسی مجلس میں سماع سے۔

ثانیاً: جن شاگردوں نے ابن اسحاق سے ''عن'' کا صیغہ نقل کیا ہے، ان کے تعلق سے بھی یہ ممکن ہے کہ ابن اسحاق نے ان سے بھی صیغہ سماع سے بیان کیا ہو، لیکن انھوں نے ''عن'' کے ذریعے ہی نقل کیا، کیوں کہ یہ بات مسلم ہے کہ رواۃ ہمیشہ صیغہ سماع کو جوں کا توں نقل نہیں کرتے، بلکہ صیغہ سماع کو ''عن'' سے بھی بدل کر نقل کرتے ہیں۔ کیونکہ ''عن'' کے اندر سماع کا معنی بھی ہوتا ہے۔ بنابریں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جن شاگردوں نے ''عن'' سے نقل کیا ہے، انھوں نے سماع کا انکار کیا ہے۔

ثالثاً: جب تک خاص اور مضبوط دلیل سے یہ ثابت نہ ہوجائے کہ کسی ثقہ راوی نے صیغہ سماع کو نقل کرنے میں غلطی کی ہے، تب تک بغیر دلیل کے ثقہ راوی کی تغلیط نہیں کی جاسکتی ہے، ورنہ پھر یہ اصول ہی کالعدم ہوجائے گا کہ ''عن'' سے روایت کرنے والا مدلس کسی طریق میں سماع کی صراحت کر دے تو عنعنہ مقبول ہوگا۔

❀ یزید بن ابی حبیب المصری:

آپ بھی بخاری ومسلم کے راوی اور بالاتفاق ثقہ ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ

فرماتے ہیں: ''ثقة فقيه''[1]

آپ ارسال کرنے والے راوی ہیں، لیکن یہ حدیث انھوں نے اپنے استاذ خالد بن ابی عمران سے نقل کی ہے اور ارسال کرنے والا جب اپنے معاصر استاذ سے نقل کرتا ہے تو بالاتفاق اسے سماع پر ہی محمول کیا جاتا ہے۔ البتہ اس حدیث میں کبھی انھوں نے اپنے استاذ خالد بن ابی عمران کو ساقط کر کے ارسال کیا ہے، جیسا کہ ابن اسحاق کی دوسری معنعن سند میں یزید بن ابی حبیب کے بعد خالد بن ابی عمران کا ذکر ساقط ہے۔ كما سيأتي.

لیکن ابن اسحاق کی مصرح بالسماع والی روایت میں یزید بن حبیب کے استاذ خالد بن ابی عمران کا ذکر موجود ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن اسحاق نے ان سے مرسلاً اور موصولاً دونوں طرح سن رکھا ہے اور دونوں طرح روایت کیا ہے۔ لہٰذا جب موصول سند میں ساقط راوی کا ذکر آ گیا تو مرسل سند سے ساقط راوی کا نام معلوم ہوگیا لہٰذا وہ بھی صحیح ہے۔

اگر کوئی دونوں کو صحیح نہ مانے تو کم ازکم موصول سند کو اسے درست ماننا ہوگا، کیوں کہ اس سند کو ابن اسحاق نے صیغہ سماع کے ساتھ نقل کیا ہے، جبکہ مرسل سند کو ابن اسحاق نے عن سے روایت کیا ہے اور یہ تیسرے طبقے کے مدلس ہیں۔

یاد رہے کہ مرسل سند میں خالد بن ابی عمران کا اسقاط یزید بن ابی حبیب ہی کی طرف سے ہے، کیوں کہ ارسال کرنا ان کی بھی عادت ہے، جیسا کہ ائمۂ فن نے صراحت کی ہے۔[2]

اس کے برعکس یہ ماننے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ یہ اسقاط ابن اسحاق کی

---

[1] تقريب التهذيب لابن حجر، رقم الحديث (٧٧٠١)

[2] المراسيل لابن أبي حاتم ت قوجاني (ص: ٢٣٩)

طرف سے ہے، کیوں کہ ایسی صورت میں یہ تدلیس تسویہ کی صورت ہو جائے گی اور ابن اسحاق تدلیس تسویہ کرنے والے راوی نہیں ہیں، اس لیے واضح ہے کہ یہ اسقاط ان کی طرف سے نہیں، بلکہ ان کے شیخ کی طرف سے ہے۔

بہرحال جو راوی ساقط کیا گیا تھا، اس کا ذکر صحیح سند میں آ چکا ہے، اس لیے یہ عیب باقی نہیں رہا۔

خالد بن ابی عمران:

آپ مسلم کے راوی اور بالاتفاق ثقہ ہیں۔ امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ثقة لا بأس به"[1]

ابو عیاش الزرقی:

آپ موطا امام مالک، سنن اربعہ، مسند احمد، سنن دارمی، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان اور مستدرک وغیرہ کے رجال میں سے ہیں۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے انھیں ثقہ کہا ہے۔[2] اسی طرح امام ابن خلفون رحمہ اللہ نے بھی انھیں ثقہ کہا ہے۔[3] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام دارقطنی سے "ثقة ثبت" کے الفاظ نقل کیے ہیں۔[4] امام دارقطنی کی توثیق کو حافظ مغلطائی[5] اور حافظ سخاوی نے بھی نقل کیا ہے۔[6] علامہ عینی حنفی نے بھی ثقہ کہا ہے۔[7] علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی انھیں ثقہ تسلیم کیا ہے۔[8] بعض نے انھیں مجہول کہا ہے، لیکن دوسرے

---

1. الجرح و التعديل لابن أبي حاتم (٣/ ٣٤٥)
2. الثقات لابن حبان ط العثمانية (٤/ ٢٥١)
3. إكمال تهذيب الكمال (٥ /١٦٧)
4. تلخيص الحبير (٣/ ١٠)
5. إكمال تهذيب الكمال (٣/ ١٦٧)
6. التحفة اللطيفة في تاريخ المدينة الشريفة (١/ ٣٧٢)
7. البناية شرح الهداية (٨/ ٢٨٨)
8. إرواء الغليل للألباني (٤/ ٣٥٠)

ائمہ کی طرف سے صریح توثیق آ جانے کے بعد اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

❀ جابر بن عبد اللہ الأنصاری:

آپ معروف و مشہور صحابی ہیں اور بخاری و مسلم میں بھی آپ کی مرویات ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ روایت بالکل صحیح ہے۔ و الحمد للّٰه.

بعض حضرات نے اس حدیث کو ضعیف قرار دینے کے لیے درج ذیل تین اعتراضات کیے ہیں:

1) سند کا اختلاف۔

2) ابو عیاش کی عدمِ توثیق۔

3) صحیح حدیث کی مخالفت۔

اب بالترتیب ہم ان تینوں اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں:

پہلا اعتراض: سند کا اختلاف:

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ سنن ابو داود وغیرہ میں یزید بن ابی حبیب اور ابو عیاش کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے، جبکہ مسند احمد میں ان کے درمیان خالد بن ابی عمران کا واسطہ ہے۔

عرض ہے کہ جس سند میں خالد بن ابی عمران کا واسطہ نہیں ہے وہ سند اصولِ حدیث کی رو سے ثابت ہی نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ زیرِ بحث حدیث کی سند صرف ایک ہی کیفیت کے ساتھ ثابت ہے جسے اوپر مسند احمد کے حوالے سے نقل کیا جا چکا ہے اور اس میں خالد بن ابی عمران کا ذکر موجود ہے، اس سے ہٹ کر جس طریق میں خالد بن ابی عمران کا ذکر نہیں ہے، اس کا دارومدار ابن اسحاق کا وہ طریق ہے جس میں انھوں نے عن سے روایت کیا ہے۔

چنانچہ امام دارمی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ خَالِدٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ أَبِي عَيَّاشٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: ضَحَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِكَبْشَيْنِ فِي يَوْمِ الْعِيدِ، فَقَالَ حِينَ وَجَّهَهُمَا: ﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ [الأنعام: ٧٩]، ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ اللَّهُمَّ إِنَّ هَذَا مِنْكَ وَلَكَ، عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهِ، ثُمَّ سَمَّى اللَّهَ وَكَبَّرَ وَذَبَحَ" [1]

ابن اسحاق مشہور مدلس ہیں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انھیں چوتھے طبقے کے مدلسین میں ذکر کیا ہے۔ [2]

معلوم ہوا کہ جس طریق میں خالد بن ابی عمران کا ذکر نہیں ہے وہ طریق ثابت ہی نہیں، لہٰذا غیر ثابت طریق کو بنیاد بنا کر سند میں اختلاف کا دعویٰ درست نہیں ہے۔

نیز جب صحیح روایت سے ثابت ہوگیا کہ یزید بن ابی حبیب اور ابو عیاش کے بیچ ایک واسطہ ہے تو پھر اس محذوف واسطے والی سند میں یزید بن ابی حبیب کا ارسال مانا جائے

---

[1] سنن الدارمي (٢/ ١٢٣٩) و أخرجه أيضا الطحاوي في شرح معاني الآثار (٤/ ١٧٧) وابن أبي حاتم في تفسيره (٥/ ١٤٣٤) و البيهقي في السنن الكبرىٰ (٩/ ٤٨٢) و شعب الإيمان (٩/ ٤٣٨) و فضائل الأوقات (ص٤٠٠) و الدعوات الكبير (٢/ ١٧٢) من طريق أحمد ابن خالد الوهبي، وأخرجه أيضا أبو داود في سننه (٣/ ٩٥) و البيهقي في السنن الكبرىٰ (٩/ ٤٨٢) من طريق عيسىٰ بن يونس السبيعي، و أخرجه أيضا ابن ماجه في سننه (٢/ ١٠٤٣) من طريق إسماعيل بن عياش، وأخرجه أيضا البيهقي في شعب الإيمان (٩/ ٤٣٨) و المزي في تهذيب الكمال (٣٤/ ١٦٤) من طريق يزيد بن زريع، كلهم (أحمد بن خالد و عيسى بن يونس و إسماعيل بن عياش و يزيد بن زريع) عن ابن إسحاق معنعنا به.

[2] دیکھیں: الفتح المبين في تحقيق طبقات المدلسين (ص: ٧٢)

گا، کیوں کہ یہ ارسال کرنے والے راوی ہیں۔ کما مضٰی۔ اور صحیح سند کی بنیاد پر یہ کہا جائے گا کہ یہ محذوف واسطہ معلوم ہو چکا ہے، اس لیے اس مرسل سند میں بھی عیب باقی نہیں رہا۔

سند کے اختلاف میں دوسری بات یہ کہی جاتی ہے کہ سنن بیہقی میں ''یزید بن خالد بن ابی عمران'' کا ذکر جو دوسری سند کے خلاف ہے۔

عرض ہے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں:

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب ثنا أبو زرعة الدمشقي ثنا أحمد بن خالد الوهبي عن محمد بن إسحاق ح وأخبرنا أبو علي الروذباري أنبأ محمد بن بكر ثنا أبو داود ثنا إبراهيم بن موسىٰ الرازي ثنا عيسى ثنا محمد بن إسحاق عن يزيد بن أبي حبيب عن أبي عياش عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: ذبح النبي ﷺ يوم الذبح كبشين أقرنين أملحين موجّيين فلما وجههما قال: ﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ [الأنعام: ٧٩]، ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ اللهم منك ولك عن محمد وأمته بسم الله والله أكبر ثم ذبح ﷺ. لفظ حديث عيسى ابن يونس، وفي رواية الوهبي: ذبح رسول الله ﷺ كبشين يوم العيد فلما وجههما قال، فذكر الدعاء ثم قال: اللهم منك ولك عن محمد وأمته وسمى وذبح. ورواه إبراهيم بن طهمان

عن محمد بن إسحاق وقال في الحديث: وجهھما إلى القبلة حين ذبح، وقيل: عن محمد بن إسحاق عن يزيد ابن خالد بن أبي عمران عن أبي عياش عن جابر رضی اللہ عنہ"[1]

مکمل الفاظ دیکھنے سے حقیقت یہ سامنے آتی ہے کہ بیہقی کی تخریج کردہ روایت کی سند بھی ابن اسحاق کی معنعن ضعیف روایت ہی کی طرح ہے اور اس روایت کو امام بیہقی نے نقل کرنے کے بعد "قیل" کے صیغے سے کہا ہے:

"وقيل: عن محمد بن إسحاق عن يزيد بن خالد بن أبي عمران عن أبي عياش عن جابر رضی اللہ عنہ"[2]

یعنی امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس روایت کی تخریج نہیں کی ہے، اس لیے یہ ادھوری سند ثابت ہی نہیں ہے، اس لیے غیر ثابت سند سے اختلاف ثابت نہیں ہوسکتا۔

نیز یہ بات قابلِ ملاحظہ ہے کہ بیہقی کی ذکر کردہ ادھوری سند میں کیا واقعی "خالد بن ابی عمران" کی جگہ "یزید بن خالد بن ابی عمران" ہے؟ اس وقت بیہقی کے صرف دو مخطوطوں تک میری رسائی ہے، ایک مخطوطہ تو ناقص ہے جس میں یہ متعلقہ الفاظ موجود ہی نہیں، جبکہ دوسرے مخطوطہ میں یہ الفاظ موجود ہیں، لیکن اگر مسند احمد کی پیش کردہ سند کو سامنے رکھا جائے تو یقین کی حد تک یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ بیہقی کے نسخے میں تصحیف ہوئی ہے اور "یزید بن خالد بن ابی عمران" کے بجائے اصل الفاظ "یزید عن خالد بن ابی عمران" ہیں، یعنی صرف ایک حرف کا فرق ہے اور وہ یہ کہ "عن" کا حرف عین (ع) حرف با (ب) سے بدل گیا ہے اور صحیح "یزید عن" ہے نہ کہ "یزید بن"، اور "یزید" سے مراد "یزید بن ابی حبیب" ہیں، جیسا کہ مسند احمد وغیرہ میں ہے۔

---

[1] السنن الکبریٰ للبیھقي (۹/ ۲۸۷)

[2] السنن الکبریٰ للبیھقي (۹/ ۲۸۷)

اور اس کی ایک زبردست دلیل یہ ہے کہ خود امام بیہقی ہی نے یہی بات اپنی دوسری کتاب شعب الایمان میں یوں کہی ہے:

"وَرَوَاهُ إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ يَزِيدَ بْنَ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ أَبِي عِمْرَانَ، عَنِ أَبِي عَيَّاشٍ، عَنْ جَابِرٍ"[1]

غور کریں کہ اس کتاب میں امام بیہقی رحمہ اللہ نے واضح طور پر "یزید بن ابی حبیب" پورا نام ولدیت کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس کے بعد "عن" ہے، یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ امام بیہقی کی ذکر کردہ اس ادھوری سند میں بھی کوئی الگ بات نہیں ہے، بلکہ انھیں کی دوسری کتاب "شعب الایمان" ہی کے موافق ہے، چنانچہ شعب الایمان کے محقق نے یہ عبارت دیکھنے کے بعد سنن بیہقی کے محقق پر تعاقب کیا ہے کہ وہ سنن بیہقی کے اس مصحف مقام کی تصحیح نہیں کر سکے اور دونوں ناموں کو ایک نام سمجھ لیا اور ویسے ہی چھاپ دیا۔ شعب الایمان کے محقق کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"ولم يفطن محقق سنن البيهقي إلى يزيد بن حبيب وخالد بن أبي عمران فأبقى على جعلهما اسما واحدا: يزيد بن خالد بن أبي عمران"[2]

"یعنی سنن بیہقی کے محقق یہ نہیں جان سکے کہ "یزید بن ابی حبیب" اور "خالد بن ابی عمران" دو الگ الگ نام ہیں، اس لیے انھوں نے ان دونوں کو ایک ہی نام "یزید بن خالد بن ابی عمران" سمجھ لیا۔

معلوم ہوا کہ سند کے اس اختلاف کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے، کیوں کہ سنن بیہقی کے مخطوطہ میں تصحیف ہوئی اور مخطوطات میں تصحیف ہو جانا کوئی تعجب

---

[1] شعب الإيمان، ت زغلول (٥/ ٤٧٥)

[2] شعب الإيمان، ت زغلول (٥/ ٤٧٥)

کی بات نہیں ہے، اس لیے جب دیگر طرق سے اس طرح کی تصحیف کا اشارہ ملے تو اسے قبول کرنا چاہیے، چنانچہ سنن بیہقی ہی کا جو نسخہ مرکز ہجر سے طبع ہوا ہے اس کے محقق نے حاشیہ میں درست عبارت کی نشاندہی کر دی ہے اور مکتبہ شاملہ کے ایک نسخہ میں شاملہ والوں نے باقاعدہ تصویب بھی کر دی ہے۔ اور اگر اس تصویب کو قبول نہ بھی کیا جائے تب بھی بیہقی کے ان الفاظ سے سند میں اختلاف کی دلیل نہیں لی جا سکتی، کیوں کہ اس اختلاف کا کوئی ثبوت ہی نہیں۔

الغرض اس روایت کی صرف ایک سند ثابت ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں، جس میں اختلاف ہے وہ ثابت ہی نہیں، اس لیے اس کا کوئی وزن ہی نہیں۔

دوسرا اعتراض: ابوعیاش کی عدمِ توثیق:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس روایت کی سند میں ابوعیاش المعافری مصری ہے اور اس کی کسی نے توثیق نہیں کی ہے۔

جواباً عرض ہے کہ ان حضرات نے زیرِ بحث روایت کی سند میں موجود ابو عیاش سے ابوعیاش المعافری مراد لیا ہے، جبکہ تحقیق کی روشنی میں قرائن یہی بتلاتے ہیں کہ یہاں ابوعیاش سے مراد ''ابوعیاش المعافری'' نہیں، بلکہ ''ابوعیاش الزرقی'' ہے۔ اس پر دلائل دینے سے قبل آیئے ان دونوں کا تعارف دیکھ لیتے ہیں۔

''ابوعیاش المعافری'' کا تعارف

ان کا نام ''فرّوخ بن النعمان'' ہے اور نسبت ''المعافری'' ہے، یہ ''مصر'' کے رہنے والے تھے۔ یعنی یہ ''ابوعیاش، فرّوخ بن النعمان، المعافری، المصری'' ہیں۔

ابن یونس المصری نے ان کا تذکرہ کیا ہے جیسا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فروخ بن النعمان، أبو عياش المعافري عن علي، و معاذ،

وابن مسعود، وعبادة بن الصامت، وغيرهم، حدث بمصر، روى عنه يزيد بن أبي حبيب، وبكر بن سوادة، وخالد بن أبي عمران، ذكره ابن يونس“[1]

”فروخ بن النعمان ابوعیاش المعافری، انھوں نے علی، معاذ، ابن مسعود اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے مصر میں تحدیث کی، ان سے یزید بن ابی حبیب، بکر بن سوادہ، خالد بن ابی عمران نے روایت بیان کی ہے۔ امام ابن یونس نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔“

ابن یونس کے علاوہ کسی امام نے ابوعیاش کا نام نہیں بتایا ہے۔ امام مزی کو بھی ان کے نام کا علم نہیں تھا، اس لیے انھوں نے اس کا تذکرہ صرف ان کی کنیت سے کیا اور امام ابواحمد الحاکم سے نقل کیا کہ اس کا نام معروف نہیں ہے۔[2]

لیکن امام ذہبی نے ابن یونس المصری کے حوالے سے ان کا ترجمہ نقل کیا جس میں ان کا نام بھی مذکور ہے۔ امام ابن یونس المصری کی یہ نص ابن حجر رحمہ اللہ کے سامنے بھی تھی، اسی لیے انھوں نے تہذیب میں ابوعیاش المعافری کے تلامذہ میں بکر بن سوادہ کا بھی اضافہ کیا اور ان کا نام بھی بتایا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابوعیاش المعافری کے ترجمہ میں کہا:

”وبكر بن سوادة ذكره ابن يونس وقال فيه: أبو عياش بن النعمان“[3]

”اور ان سے بکر بن سوادۃ نے بھی روایت کیا ہے۔ اسے ابن یونس نے ذکر کیا ہے اور اس کا نام ”ابوعیاش بن النعمان“ بتایا ہے۔“

---

[1] تاريخ الإسلام ت بشار (٢/ ٩٨٨)

[2] تهذيب الكمال للمزي (٣٤/ ١٦٣)

[3] تهذيب التهذيب لابن حجر، ط الهند (١٢/ ١٩٤)

ابو عیاش المصری کے تلامذہ میں بکر بن سوادۃ کا ذکر امام ذہبی کی اس عبارت میں بھی ہے جسے انھوں نے ابن یونس سے نقل کیا ہے۔

تنبیہ بلیغ:

دکتور عبدالفتاح نے متاخرین ائمہ کی کتب میں منقول ابن یونس المصری کے اقوال کو جمع کر کے تاریخ ابن یونس کے نام سے ایک کتاب مرتب کی ہے، اس میں موصوف نے ابو عیاش المصری کو دو راوی بنا کر دو جگہ اس کا ترجمہ نقل کیا ہے۔

ایک جگہ ان کا نام ''فرّوخ بن النعمان المعافری، ابو عیّاش'' ذکر کیا ہے اور دوسری جگہ ان کا نام ''ابو عیّاش المعافری المصری ابو عیّاش بن النعمان'' ذکر کیا ہے۔[1]

یہ دکتور صاحب کا وہم ہے، کیوں کہ ابن یونس نے دو ابو عیاش نہیں بلکہ ایک ہی ابو عیاش کو ذکر کیا ہے۔ امام ذہبی نے ابن یونس کی مکمل عبارت نقل کی ہے اور ابن حجر رحمہ اللہ نے صرف ان کا نام اور ان کے ایک شاگرد کو نقل کیا ہے، اس سے دکتور صاحب نے یہ سمجھ لیا کہ یہ دونوں الگ الگ راوی ہیں۔ حالانکہ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابو عیاش کا نام اور ان کے ایک شاگرد کو نقل کیا ہے اور یہ دونوں باتیں امام ذہبی کی نقل کردہ عبارت میں بھی موجود ہیں۔ بلکہ ملاحظہ کریں کہ دونوں کا نام ''ابن النعمان'' اور نسبت ''المعافری'' اور کنیت ''ابو عیاش'' ایک ہی ہے، اس لیے یہ دو الگ الگ نہیں، بلکہ ایک ہی راوی ہیں۔

دکتور صاحب سے ایک اور تسامح ہوا ہے کہ انھوں نے دوسرے مقام پر ابو عیاش المعافری کے اساتذہ میں جابر رضی اللہ عنہ کا نام ذکر کر کے یہ لکھا کہ جابر رضی اللہ عنہ سے ابو عیاش نے قربانی کے بارے میں روایت نقل کی ہے، حالانکہ یہ عبارت تہذیب التہذیب میں ابن حجر رحمہ اللہ کی ہے نہ کہ ابن یونس المصری کی، اور ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ بات

---

[1] تاريخ ابن يونس المصري (١/ ٣٩٤) أيضا (١/ ٥٢٣)

امام مزی کے کلام کا خلاصہ کرتے ہوئے لکھی ہے اور ابن یونس کے حوالے سے صرف ابوعیاش کا نام اور ان کے ایک شاگرد کا اضافہ کیا ہے۔

الغرض ابوعیاش المعافری المصری کا سب سے مفصل تذکرہ مصر ہی کے امام ابن یونس المصری نے کیا ہے، اس لیے ان کا بیان سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

یہاں ملاحظہ فرمائیں کہ امام ابن یونس المصری نے ابوعیاش المصری کے اہم اساتذہ کی یہ فہرست دی ہے: علی، معاذ، ابن مسعود اور عبادة بن الصامت.

اس فہرست میں جابر رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے، حالانکہ جابر رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر بدری صحابی ہیں اور قربانی سے متعلق انھیں سے ابوعیاش نامی راوی کی روایت سنن ومسانید وغیرہ میں منقول اور بہت مشہور ہے۔

اگرامام ابن یونس المصری کی نظر میں جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ابوعیاش یہ المعافری ومصری ہی ہوتے تو وہ یہاں ابوعیاش کے اساتذہ میں جابر رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی ضرور کرتے، کیوں کہ یہ حدیث تو بہت مشہور ہے۔ جبکہ یہاں ابن یونس المصری نے ابوعیاش المعافری کے جن اساتذہ کا ذکر کیا ہے ان میں سوائے معاذ بن جبل کے کسی اور سے ابوعیاش المعافری کی روایت دواوینِ حدیث میں معروف ومتداول نہیں ملتی۔

کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ ابن یونس المصری اپنے ہم وطن ابوعیاش المعافری المصری کے ان اساتذہ کا تو ذکرکریں جن سے ان کی روایت غیرمشہور ہو اور جس استاذ سے ان کی روایت سب سے زیادہ مشہور ہو اسے ذکر ہی نہ کریں؟؟

بلکہ عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن عبد الحکم المصری (المتوفی۲۵۷) نے بھی اپنی کتاب فتوحِ مصر میں جابر رضی اللہ عنہ سے اہلِ مصر کی روایات پیش کی ہیں، لیکن ابوعیاش کی نہ توکوئی روایت پیش کی ہے نہ ہی اس کی طرف کوئی اشارہ کیا ہے۔[1] اس سے یہی سمجھ

[1] فتوح مصر والمغرب (ص: ۳۰۳-۳۰۴)

میں آرہا ہے کہ ابو عیاش المعافری نے جابر رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت بیان ہی نہیں کی ہے ورنہ مصری مؤرخین اس کا تذکرہ ضرور کرتے۔

اس بات کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ سے ابو عیاش کے طریق سے جتنی بھی روایات ہیں، کسی ایک میں بھی ابو عیاش کی تعیین المعافری سے وارد نہیں ہے، جبکہ اس کے برعکس اس طریق کی کئی ایک روایات میں ابو عیاش کی تعیین الزرقی سے موجود ہے۔ كما سيأتي. جس سے پتا چلتا ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ کا شاگرد ابو عیاش اصل میں الزرقی ہی ہے اور ابو عیاش المعافری کی جابر رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت نہیں ہے۔

ابو عیاش المعافری المصری کے جابر رضی اللہ عنہ کے شاگرد نہ ہونے کی طرف اشارہ اس بات سے بھی ملتا ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ مدینہ کے رہنے والے تھے اور مدینہ میں مسجد نبوی ہی میں ان کا حلقۂ تحدیث قائم تھا جہاں دور دراز سے طلباء آکر ان سے احادیث سنتے تھے۔[2]

کیا ابو عیاش المعافری طلبِ حدیث کے لیے مدینہ آئے تھے؟

کتبِ تاریخ و رجال میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ملتا ہے کہ ابو عیاش المعافری المصری نے طلب علم کے لیے دور دراز کا سفر کیا ہو، اسی طرح طلب علم کے لیے ان کا مدینہ آنا بھی ثابت نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایک ثقہ راوی جب اپنے ایسے معاصر سے نقل کرے جس سے اس کی ملاقات ممکن ہو تو اسے اتصال پر محمول کیا جاتا ہے گرچہ راوی اور مروی عنہ کا علاقہ الگ الگ ہو، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب راوی ثقہ ہو اور غیر مدلس ہو۔

لیکن اگر راوی نا معلوم التوثیق اور مجہول الحال ہو، تو پھر یہ احتمال باقی رہے گا کہ ممکن ہے اس نے غلطی سے ایسے رواۃ کو بھی اپنا استاذ بتا دیا جو اس کے استاذ نہ ہوں، یا ہوسکتا ہے اس نے ارسال کیا ہو۔ بلکہ بعض حالات میں قرائن کے پیشِ نظر

---

[2] مصنف وكيع، و إسناده صحيح، وانظر: حسن المحاضرة (١/ ١٨١)

ایسے ثقہ راوی کی روایت بھی محلِ نظر ٹھہرتی ہے جس نے دوسرے علاقے کے کسی شخص سے روایت کیا ہو۔

امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ (المتوفی ۳۲۷) نے کہا:

”سئل أبي عن ابن سيرين سمع من أبي الدرداء؟ قال: قد أدركه ولا أظنه سمع منه، ذاك بالشام، وهذا بالبصرة“[1]

”میرے والد (امام ابوحاتم رحمہ اللہ) سے پوچھا گیا کہ کیا محمد بن سیرین نے ابوالدرداء سے سنا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: انھوں نے ان کا دور پایا ہے، لیکن مجھے نہیں لگتا کہ ان سے سنا ہے، کیوں کہ وہ شام کے رہنے والے ہیں اور یہ بصرہ کے ہیں۔“

ملاحظہ فرمائیں! ابو الدرداء رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور عموماً صحابہ کی طرف تابعین کا دور دراز سے آنا ثابت ہے، اس کے باوجود بھی علاقے کے اختلاف کے پیشِ نظر امام ابوحاتم رحمہ اللہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے محمد بن سیرین کی ملاقات کو محلِ نظر ٹھہرا رہے ہیں، غالبًا اس لیے کیوں کہ محمد بن سیرین ارسال کرنے والے راوی ہیں۔ والله أعلم.

عرض ہے کہ ابوالعیاش المعافری کی حالت بھی غیر معروف ہے، ان کے اساتذہ میں مختلف علاقوں کے کبار صحابہ کا ذکر ملتا ہے، اس لیے ممکن ہے انھوں نے ان سب کے علاقے تک جا کر ان سے نہ سنا ہو، بلکہ کسی اور سے سن کر ارسال کر دیا ہو اور ان میں سے بعض صحابہ سے ملے بھی ہوں تو ان علاقوں میں ملاقات کی ہو جہاں یہ صحابہ سکونت پذیر تھے۔

امام مزی اور امام ابن یونس المصری نے ان کے اساتذہ کی مندرجہ ذیل فہرست دی ہے:

---

[1] المراسيل لابن أبي حاتم (ص:١٨٧)

- علی رضی اللہ عنہ
- ابن مسعود رضی اللہ عنہ
- کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ
- ابوہریرہ رضی اللہ عنہ
- سہل بن سعد رضی اللہ عنہ
- معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
- عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ
- جابر رضی اللہ عنہ [1]

عرض ہے کہ سیدنا علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا کوفہ میں سکونت اختیار کرنا معروف ہے۔کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام ذہبی نے کہا:

"حدث بالكوفة وبالبصرة" [2]

"انھوں نے کوفہ اور بصرہ میں حدیث بیان کی ہے۔"

خیر الدین الزرکلی نے لکھا:

"سكن الكوفة" [3] "انھوں نے کوفہ میں سکونت اختیار کی۔"

سیدنا ابوہریرہ اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہما، دونوں کا تذکرہ ابن عبد الحکم المصری (المتوفی ۲۵۷) نے ان صحابہ میں کیا ہے جو مصر آئے اور اہلِ مصر نے ان سے روایت کی۔ [4] سیدنا معاذ بن جبل اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما، ان دونوں صحابہ کا تعلق شام سے

---

[1] دیکھیں: تاريخ الإسلام ت بشار (۲/ ۹۸۸) نقلاً عن ابن يونس، تهذيب الكمال للمزي (۳۴/ ۱۵۶۳)

[2] سير أعلام النبلاء ط الرسالة (۳/ ۵۲)

[3] الأعلام للزركلي (۵/ ۲۲۷)

[4] فتوح مصر والمغرب (ص: ۳۱۱) أيضا (ص: ۳۰۵)

تھا اور یہیں ان دونوں کی وفات ہوئی۔[1] رہی بات جابر رضی اللہ عنہ کی تو ان کے بارے میں بھی بعض نے لکھا ہے کہ یہ مصر آئے، لیکن تحقیق سے یہ بات غلط ثابت ہوئی ہے جیسا کہ تفصیل آ رہی ہے۔

اس تفصیل سے ان کے اساتذہ کی فہرست بھی اس بات کا کوئی پختہ ثبوت فراہم نہیں کرتی کہ یہ مدینہ طلبِ حدیث کے لیے آئے ہوں، بلکہ ان کے اساتذہ میں مختلف علاقوں کے کبار صحابہ کی فہرست سے یہی لگتا ہے کہ ان میں سے کئی ایک سے ان کی روایات مرسل ہوں گی، کیوں کہ اگر واقعی اتنے سارے کبار صحابہ سے انھوں نے حدیث اخذ کی ہوتی تو ان کے پاس احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ ہوتا اور کم از کم ان کے ہم وطن مصری تلامذہ نے ان سے بہت ساری روایات بیان کی ہوتیں۔ یوں یہ گمنام نہ رہتے بلکہ فقہ و روایت میں ان کا خوب چرچا ہوتا، لیکن ایسا ہوا نہیں، جو اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان کی بیشتر روایات مرسل ہی رہی ہوں گی، جس کے سبب ان سے تلمذ اور اخذ و روایت میں زیادہ دلچسپی نہیں لی گئی۔ واللہ أعلم.

شاید یہی وجہ ہے کہ کتبِ احادیث کا جو بھی مطبوعہ یا مخطوطہ ذخیرہ موجود ہے، اس میں مذکورہ اساتذہ میں صرف چند ہی سے ابو عیاش المصری کی کچھ روایات منقول ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ امام مزی نے ان کے اساتذہ کی جو فہرست درج کی ہے، وہ اس فہرست سے قدرے مختلف ہے جسے ابو عیاش المعافری المصری کے ہم وطن امام ابن یونس المصری نے پیش کیا ہے، جس کا سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بعض ایسی روایات جن میں ابو عیاش کا نام مطلق وارد تھا، ان میں امام مزی نے ابو عیاش المعافری ہی کو مراد لے لیا اور ان سے اوپر کے صحابی سے ان کا رشتۂ تلمذ جوڑ دیا، جبکہ یہاں ابو عیاش سے ''ابو عیاش الزرقی'' بھی مراد ہو سکتے تھے۔ واللہ أعلم.

---

[1] الأعلام للزركلي (٧/ ٢٥٨) تهذيب الكمال للمزي (١٤/ ١٨٩) النكت الجياد (١/ ٣٩٥)

اور شاید یہی وجہ ہے کہ ابوعیاش الزرقی کے اساتذہ میں امام مزی نے صرف ایک صحابی کا تذکرہ کیا ہے جبکہ ابوعیاش الزرقی خود مدنی بھی ہیں اور معروف ومشہور ثقہ راوی بھی ہیں۔ اب کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ نبوی سرزمین مدینہ کے ایک معروف ومشہور ثقہ مدنی تابعی کا صرف ایک مدنی صحابی استاذ ہو اور فرعونی سرزمین مصر کے ایک گمنام اور مجہول الحال شخص کے اساتذہ میں مدنی صحابہ کی قطار لگ جائے؟!

بالخصوص مدنی صحابی جابر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہمیں ذرا بھی شک نہیں کہ یہ ابوعیاش الزرقی ہی کے استاذ ہیں، لیکن بربنائے وہم انھیں ابوعیاش المصری کا استاذ بنا دیا گیا ہے، جبکہ ابوعیاش المصری کا سرے سے مدینہ آنا ہی ثابت نہیں، نہ اس کی روایات کی قوت سے، نہ ائمہ کی شہادت سے۔

کیا جابر رضی اللہ عنہ مدینہ سے مصر آئے تھے؟

اور نہ ہی اس بات کا کوئی صحیح ثبوت ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ کبھی مصر آئے، البتہ بعض لوگوں نے غلط فہمی میں یہ لکھ دیا ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ مصر آئے تھے، دراصل جابر رضی اللہ عنہ کا یہ قصہ مشہور ہے کہ وہ شام میں موجود عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے حدیثِ قصاص سننے کے لیے شام میں ان کے پاس ایک ماہ کی مسافت طے کر کے گئے تھے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی ۲۴۱) نے کہا:

”حدثنا يزيد بن هارون، قال: أخبرنا همام بن يحيى، عن القاسم بن عبد الواحد المكي، عن عبد الله بن محمد بن عقيل، أنه سمع جابر بن عبد الله، يقول: بلغني حديث عن رجل سمعه من رسول الله ﷺ، فاشتريت بعيرا، ثم شددت عليه رحلي، فسرت إليه شهرا، حتى قدمت عليه الشام فإذا عبد الله بن أنيس... الخ“

''جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے ایک شخص کے بارے میں پتا چلا کہ انھوں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سن رکھی ہے، تو میں نے اونٹ کی ایک سواری خریدی اور اس پر زاد راہ باندھا، پھر ایک ماہ کا سفر کیا، یہاں تک شام پہنچا تو پتا چلا یہ شخص عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ ہیں.... (آگے پورے واقعہ کا بیان ہے)''[1]

اسی واقعہ کو محمد مسلم الطائفی اور عبد الرحمٰن العطار نے بھی القاسم بن عبد الواحد المکی کے طریق سے روایت کیا ہے، لیکن ان دونوں کی روایت میں شام کے بجائے مصر کی جانب سفر کرنے کا ذکر ہے۔[2]

ان دونوں میں اور ان کے نیچے سند میں جو ضعف ہے، اس سے قطع نظر یہ دونوں مل کر بھی حفظ وضبط کے لحاظ سے کتب ستہ کے ثقہ وثبت راوی حافظ ہمام بن یحییٰ بن دینار کے برابر نہیں ہو سکتے، جنھوں نے اسی طریق سے اس روایت کو بیان کیا ہے اور شام کی جانب سفر کی صراحت نقل کی ہے۔

مذکورہ غیر ثابت اور صحیح روایت کے خلاف بات کو سعید بن عبد العزیز التنوخی نے بھی مرسلاً بیان کیا ہے، لیکن انھوں نے ساتھ ہی وضاحت کر دی:

''ویقال الذی قدم من المدینة علی عقبة بن عامر إنما هو السائب بن خلّاد الأنصاري''[3]

---

[1] مسند أحمد ط الميمنية (٣/ ٤٩٥) وحسنه المعلقون على المسند، وأخرجه أيضا الخطيب في الرحلة (ص: ١١٠) من طريق يزيد بن هارون به، وأخرجه أيضا البخارى في الأدب المفرد (ص: ٣٣٧ ت عبد الباقى) من طريق موسى عن همام به، وحسنه الألبانى في تعليقه على الأدب المفرد.

[2] دیکھیں: حسن المحاضرة في تاريخ مصر و القاهرة (١/ ١٨٢-١٨٣)

[3] فتوح مصر و المغرب (ص: ٣٠٤)

”اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو صحابی مدینہ سے آئے تھے وہ (جابر رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ) سائب بن خلّاد الأنصاری رضی اللہ عنہ تھے اور یہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث سننے کے لیے آئے تھے۔“

یہ دوسری بات ہی قرینِ صواب معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا مصر میں آنا ثابت ہے، بلکہ وہ مصر کی امارت بھی سنبھال چکے ہیں جبکہ عبد اللہ بن انیس کے مصر میں آنے کا سوائے مذکورہ ضعیف روایت کے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ چونکہ یہ دونوں واقعات ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے، اس لیے بعض ضعیف رواۃ نے خلط ملط کر دیا اور تاریخی روایات میں زیادہ چھان پھٹک نہیں کی جاتی اس لیے ضعیف رواۃ کے اس بیان سے دھوکا کھا کر کئی اہلِ علم حتی کہ امام ذہبی جیسے ماہرِ رجال نے لکھ دیا کہ جابر رضی اللہ عنہ، حدیثِ قصاص سننے کے لیے مصر سفر کر کے آئے تھے۔

شعیب الأرناؤوط اور ان کے رفقاء نے امام ذہبی کے اس بیان کی تردید کی ہے اور صحیح روایت پیش کر کے بتایا ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے حدیثِ قصاص سننے کی غرض سے شام کا سفر کیا تھا نہ کہ مصر کا۔[1]

بلکہ تاریخ ابن عساکر کی ایک روایت کو صحیح مان لیا جائے تو غالبًا امام ابن یونس مصری کو بھی اسی ضعیف روایت سے دھوکا ہوا اور انھوں نے ایک موقع پر نہ صرف یہ کہہ دیا کہ جابر رضی اللہ عنہ مصر آئے تھے، بلکہ اسی قرینہ کو دیکھ کر ابو عیاش المعافری کو بھی جابر کا شاگرد کہہ دیا، چنانچہ امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی ۵۷۱) نے کہا:

”أنبأنا أبو محمد حمزة بن العباس وأبو الفضل أحمد بن محمد وحدثني أبو بكر اللفتواني عنهما قالا أنا أبو بكر الباطرقاني أنا أبو عبد الله بن مندة أنا أبو سعيد بن يونس

[1] دیکھیں: سير أعلام النبلاء للذهبي (۳/ ۱۹۱، حاشیہ ۳)

قال: جابر بن عبد الله بن عمرو بن حرام بن ثعلبة بن حرام ابن كعب بن سلمة الأنصاري قدم مصر أيام مسلمة بن مخلد، حدث عنه من أهل مصر أبو عياش المعافري وعبد الرحمن بن شريح الخولاني وعمرو بن جابر الحضرمي وأبو معشر الحضرمي"[1]

''جابر رضی اللہ عنہ، مسلمہ بن مخلد کے دورِ امارت میں مصر آئے، ان سے اہلِ مصر میں سے ابو عیاش المعافری، عبدالرحمٰن بن شریح الخولانی، عمرو بن جابر الحضرمی اور ابو معشر الحضرمی نے حدیث روایت کی۔''

یہی بات امام ابن یونس المصری (المتوفی ۳۴۷) کے معاصر بلکہ ان کے استاذ محمد بن الربیع الجیزی المصری، (المتوفی ۳۲۴) نے شک کے ساتھ اس طرح کی:

"قدم مصر على عقبة بن عامر، ويقال على عبد الله بن أنيس- يسأله عن حديث القصاص، وذلك في أيام مسلمة بن مخلد"[2]

''جابر رضی اللہ عنہ، مسلمہ بن خالد کے دورِ امارت میں مصر آئے، عقبہ بن عامر- اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عبداللہ بن انیس- سے حدیثِ قصاص سننے کے لیے۔''

اوپر تفصیل سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ عبداللہ بن انیس مصر میں وارد ہی نہیں ہوئے وہ تو شام میں تھے اور ان سے حدیثِ قصاص سننے کے لیے جابر رضی اللہ عنہ نے شام ہی کا سفر کیا تھا۔ البتہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ مصر میں تھے، لیکن جیسا کہ ایک روایت گزر چکی ہے، ان سے حدیث سننے کے لیے مدینہ سے آنے والے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نہیں

[1] تاريخ دمشق لابن عساكر (١١/ ٢١٤) وحمزة و أحمد لم أجد من وثقهما.

[2] حسن المحاضرة في تاريخ مصر والقاهرة (١/ ١٨١) و الظاهر أن السيوطي ينقل من كتابه.

تھے، بلکہ سائب بن خلاد الانصاری رضی اللہ عنہ تھے جو مدینہ سے مصر پہنچتے ہی مسلمۃ بن مخلد کے پاس گئے اور ان سے کہہ کر عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور ان سے ایک حدیث دریافت کی۔[1]

یعنی مسلمۃ بن مخلد کے دور میں آنے والے صحابی جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نہیں بلکہ سائب بن خلاد الانصاری رضی اللہ عنہ تھے اور لگتا ہے کہ ابن یونس المصری رحمہ اللہ کو بھی بعد میں حقیقتِ حال کا علم ہوگیا اور انھوں نے اس بات سے رجوع کر لیا، کیوں کہ تاریخ ابن یونس سے بعد میں جن ائمہ نے نقل کیا، ان میں سے کسی نے بھی اس کتاب میں نہ تو جابر رضی اللہ عنہ کے ترجمہ کی طرف کوئی اشارہ کیا ہے اور نہ ابوعیاش المعافری کے اساتذہ میں جابر رضی اللہ عنہ کا ذکر ان سے نقل کیا ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ انھوں نے تاریخ ابن یونس المصری سے ابوعیاش المعافری کا مکمل ترجمہ نقل فرمایا ہے، لیکن اس میں ابوعیاش المعافری کے اساتذہ میں ابن یونس نے جابر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ نہیں کیا ہے، حالانکہ ان کی نظر میں یہ بات صحیح ہوتی تو ابوعیاش المعافری کے اساتذہ میں سب سے پہلے جابر رضی اللہ عنہ ہی کا تذکرہ فرماتے جیسا کہ وضاحت کی جا چکی ہے۔ بلکہ امام ابن یونس المصری اور ان کے استاذ محمد بن الربیع المصری دونوں سے سینیر (بڑے) عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن عبد الحکم المصری (المتوفی ۲۵۷) نے بھی اپنی کتاب فتوحِ مصر میں مذکورہ ضعیف روایت کی بنا پر جابر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے، پھر جابر رضی اللہ عنہ سے اہلِ مصر کی روایات پیش کی ہیں، لیکن صرف عمرو بن جابر الحضرمی (احمق، کذاب) اور ابوحمزۃ الخولانی (نامعلوم) کی روایات پیش کی ہیں اور ابوعیاش المعافری کا نام تک نہیں لیا۔

الغرض جابر رضی اللہ عنہ کا مصر آنا ثابت نہیں ہے اور اس تعلق سے مذکور بات بعض

---

[1] فتوح مصر والمغرب (ص: ۳۰۵)

رواۃ کی غلطی و وہم کا نتیجہ ہے، لہٰذا اسے بنیاد بنا کر ابو عیاش المعافری اور جابر رضی اللہ عنہ کے مابین استاذ وشاگردی کا رشتہ ثابت کرنے کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔

ابو عیاش المعافری اور کتبِ احادیث:

حدیث کی مشہور و معروف کتب چھے ہیں جنھیں کتبِ ستہ کہا جاتا ہے، بلکہ اہلِ علم نے ان کتبِ ستہ ہی کے ساتھ موطا، یا مسند احمد یا سنن دارمی کو بھی ملایا ہے، اس لیے ان ساری کتب کا ایک درجہ ہے۔ عصرِ حاضر میں ان کتب کے لیے کتبِ تسعہ کی اصطلاح استعمال کی گئی۔ یعنی حدیث کی نو مشہور کتابیں۔

حدیث کی ان نو کتابوں میں سے کسی ایک میں بھی ابو عیاش المعافری کی روایت موجود نہیں ہے۔ اس کے علاوہ مشہور کتبِ احادیث میں بھی اس کی احادیث نہیں ہیں، البتہ دیگر بعض کتب میں شاذ و نادر اس کی روایات ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلی رحمہ اللہ کی درجہ بندی کے اعتبار سے چوتھے درجے کی کتبِ احادیث میں اس کی بعض روایات ہیں۔ بعض اہلِ علم نے قربانی والی حدیث میں موجود ابو عیاش کو المعافری مانا ہے اور اس اعتبار سے کتبِ تسعہ میں سے سنن ابی داود، سنن ابن ماجہ، مسند احمد اور سنن دارمی میں اس کی احادیث ہوں گی۔ لیکن قربانی والی حدیث میں یہ راوی موجود ہے ہی نہیں، جیسا کہ قدرے وضاحت ہو چکی ہے اور مزید تفصیلات آ رہی ہیں۔

ابو عیاش المعافری جرح و تعدیل کے میزان میں:

ہمارے علم کی حد تک کسی ایک امام سے بھی اس کی صریح توثیق ثابت نہیں ہے، حتی امام ابن حبان نے بھی اسے ثقات میں ذکر نہیں کیا، اس لیے جرح و تعدیل کے اعتبار سے یہ راوی مجہول الحال ہے۔

ابو عیاش الزرقی کا تعارف:

ان کا نام ''زید بن عیاش'' ہے اور نسبت ''الزرقی'' ہے، یہ مدینہ کے رہنے

والے تھے۔ یعنی یہ ابو عیاش، زید بن عیاش، الزرقی، المدنی ہیں۔ امام مزی نے ان کے اساتذہ میں صرف سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ذکر کیا ہے، جبکہ کئی سندوں میں صراحت کے ساتھ ان کے اساتذہ میں جابر رضی اللہ عنہ کا نام بھی موجود ہے۔[1] اور ماقبل میں اس امکان کی وضاحت ہوچکی ہے کہ بعض نے ابو عیاش الزرقی کے اساتذہ کو ابو عیاش المعافری کے اساتذہ میں گنوا دیا، بالخصوص جابر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ابو عیاش الزرقی ہی کے استاذ ہیں، لیکن غلطی سے ان کا تذکرہ ابو عیاش المعافری کے اساتذہ میں کر دیا گیا ہے۔

ابو عیاش الزرقی اور کتبِ احادیث:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی درجہ بندی کے اعتبار سے اول، دوم، سوم اور چہارم ہر درجے کی کتب میں ان کی حدیث موجود ہے۔ مشہور کتب میں ان کی حدیث کے حوالے ملاحظہ ہوں:

- موطأ مالك ت عبد الباقي (٢/ ٦٢٤) رقم الحديث (٢٢)
- سنن الترمذي ت شاكر (٣/ ٥٢٠) رقم الحديث (١٢٢٥)
- سنن أبي داود (٣/ ٢٥١) رقم الحديث (٣٣٥٩)
- سنن النسائي (٧/ ٢٦٨) رقم الحديث (٤٥٤٥)
- مسند أحمد ط الميمنية (١/ ١٧٩)
- سنن الدارمي (٥/ ١٦٧)

اس کے علاوہ دیگر صحاح، سنن، معاجم، مستخرجات و مستدرکات وغیرہ میں بھی اس کی حدیث موجود ہے۔ یاد رہے کہ یہ حوالہ قربانی والی زیرِ تحقیق حدیث کے علاوہ دوسری حدیث کا ہے جس میں صراحت و تعین کے ساتھ ابو عیاش الزرقی ہی ہے۔

---

[1] دیکھیں: المعجم الكبير (١٩/ ١٧٦) سنن الدارقطني (٢/ ٢٤٥)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی درجہ بندی کے اعتبار سے اول سے لے کر چہارم درجہ تک سب کتب میں ابو عیاش الزرقی کی روایت موجود ہے۔ جبکہ ابو عیاش المعافری کی حدیث پہلے، دوسرے اور تیسرے درجے کی کتب میں موجود ہی نہیں، بلکہ صرف چوتھے درجے کی کتب میں اس کی روایت ہے۔

ابوعیاش الزرقی جرح وتعدیل کے میزان میں:

متعدد ائمہ نے انھیں صراحتاً ثقہ قرار دیا ہے، ان کی توثیق پر تفصیل زیرِ بحث حدیث کے رجال کے تعارف میں گزر چکی ہے۔ اس کے مقابل میں ابو عیاش المعافری کی توثیق کسی ایک بھی امام نے نہیں کی ہے، حتی کہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے بھی اسے اپنے ثقات میں ذکر نہیں کیا۔

دونوں ابوعیاش کا تقابل:

- ابوعیاش الزرقی کی متعدد ائمہ نے صریح توثیق کی ہے، جبکہ ابوعیاش المعافری کی توثیق کسی ایک امام نے بھی نہیں کی۔
- ابوعیاش الزرقی کی حدیث پہلے، دوسرے، تیسرے اور چوتھے درجے کی کتب میں سے ہر کتاب میں موجود ہے، جبکہ ابو عیاش المعافری کی حدیث صرف چوتھے درجے کی کتب میں ہے۔
- ابوعیاش الزرقی مدینہ کے رہنے والے ہیں، جبکہ ابو عیاش المعافری مصر کے رہنے والے ہیں اور ان کا مدینہ آنا ثابت نہیں ہے۔
- ابوعیاش الزرقی معروف ومشہور ہے، جبکہ ابوعیاش المعافری مجہول الحال ہے۔

زیرِ بحث روایت میں ''ابوعیاش'' کا تعین:

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی قربانی والی زیرِ بحث حدیث میں ابو عیاش سے مراد ابوعیاش،

الزرقی، المدنی ہیں۔ المسند الجامع کے مرتبین نے اسے الزرقی ہی لکھا ہے۔[1] نیز حافظ زبیر علی زئی صاحب نے بھی اسے زرقی مان کر روایت کو صحیح کہا ہے۔[2] تحقیق کی روشنی میں یہی بات درست معلوم ہوتی ہے۔اس کے قرائن ملاحظہ ہوں:

پہلا قرینہ: ایک سند میں تعین:

خود زیرِ بحث روایت کی ایک سند میں بھی زرقی کی صراحت آ گئی ہے۔ چنانچہ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ (المتوفی ۲۷۳) نے کہا:

”حدثنا هشام بن عمار قال: حدثنا إسماعيل بن عياش قال: حدثنا محمد بن إسحاق، عن يزيد بن أبي حبيب، **عن أبي عياش الزرقي**، عن جابر بن عبد الله، قال: ضحى رسول الله ﷺ يوم عيد بكبشين فقال حين وجههما: ﴿**اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ**﴾ [الأنعام: ٧٩]، ﴿**اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ**﴾ [الأنعام: ١٦٢۔ ١٦٣] اللهم منك، ولك عن محمد وأمته“[3]

کسی سند کے کسی راوی کے تعین کی سب سے زبردست دلیل یہ ہوتی ہے کہ اسی سند کے دوسرے طریق میں وہ راوی تعین کے ساتھ آ جائے۔ ابن ماجہ کی سند میں یہ راوی متعین ہوکر آ گیا ہے، لیکن اس کی سند نیچے اسماعیل بن عیاش کے سبب ضعیف

[1] المسند الجامع لأحاديث الكتب الستة و مؤلفات أصحابها الأخرىٰ: (٤/ ٢٤٢)

[2] سنن ابن ماجه مع تحقيق زبير علي زئي، رقم الحديث (٣١٢١)

[3] سنن ابن ماجه (٢/ ١٠٤٣) رقم الحديث (٣١٢١)

ہے۔ اگر یہ سند صحیح ہوتی تو اس راوی کے تعین کے لیے یہ زبردست دلیل ہوتی، لیکن پھر بھی بطورِ قرینہ اس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ اس کے برخلاف دوسری کسی بھی سند میں معافری کا تعین نہیں ہے۔

حافظ زبیر علی زئی صاحب فرماتے ہیں:

”اس مسئلہ میں میری تحقیق یہی ہے کہ صرف صحیح اور حسن حدیث سے ہی استدلال کرنا چاہیے، یہ علاحدہ بات ہے کہ کسی صحیح محتمل الوجہین روایت کا مفہوم معمولی ضعیف (جس کا ضعیف شدید نہ ہو) سے متعین کیا جا سکتا ہے۔“[1]

نیز ایک مقام پر کسی اور کا قول اپنی تائید میں نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”حاشیہ پر لکھا ہوا ہے کہ: لا بأس بضعف الرواية فإنها تكفى لتعيين أحد المحتملات“[2]

”یعنی ضعیف حدیث سے دو محتمل معنوں میں سے ایک معنی کا تعین کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔“

مزید یہ کہ اسماعیل بن عیاش علی الاطلاق ضعیف نہیں، بلکہ اہلِ شام سے ان کی روایات صحیح ہوتی ہیں، یعنی یہ مطلق ضعیف رواۃ کے مانند نہیں ہیں۔ اور غیر شامی سے روایت میں یہ ضعیف ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غیر شامی سے یہ لازمی طور پر غلط ہی بیان کریں گے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ غیر شامیوں سے ان کی روایات میں خطا غالب ہے، لیکن غیر شامیوں سے بھی بسا اوقات وہ صحیح طور پر بھی بیان کر سکتے ہیں۔ بلکہ کوئی بھی مختلط راوی اختلاط کے بعد بھی بسا اوقات صحیح طور پر بیان کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ امام بخاری و مسلم نے بعض ایسے مختلطین کی روایات بھی اپنی صحیح

[1] مجلّہ ”الحدیث“ (شمارہ: ۷، ص: ۱۰)

[2] مجلّہ ”الحدیث“ (شمارہ: ۱۸، ص: ۲۷)

میں درج کی ہیں جن سے ان کے شاگردوں نے اختلاط کے بعد سنا ہے، لیکن اہلِ علم نے اس کا یہی جواب دیا ہے کہ ان مختلطین نے ان روایات میں غلطی نہیں کی ہے، شیخین نے بوجوہ اس پر اطمینان کے بعد ہی ان کی ایسی روایات درج کی ہیں۔[1]

عرض ہے کہ یہی معاملہ اسماعیل بن عیاش کا بھی ہوسکتا ہے اور جہاں یہ اشارہ ملے کہ وہ غیر شامی سے روایت میں غلطی نہیں کر رہے وہاں ان کی روایت کو صحیح نہیں تو کم از قوی ماننا چاہیے۔ ابن ماجہ کی مذکورہ حدیث میں ہم دیکھتے ہیں کہ متن کو بیان کرنے میں اسماعیل بن عیاش نے کوئی غلطی نہیں کی، بلکہ اسے جوں کا توں ابن اسحاق کے دیگر شاگردوں ہی کی طرح بیان کیا ہے۔ اسی طرح سند کے بیان میں بھی کوئی غلطی نہیں کی ہے۔ ابن اسحاق کے دیگر کئی شاگردوں نے بھی یہی سند بیان کی ہے۔

بس سند میں صرف اتنا اضافہ ہے کہ ابو عیاش کی تعیین الزرقی سے نقل کی ہے۔ چونکہ انھوں نے اس روایت میں سند یا متن میں دیگر مقام پر کوئی غلطی نہیں کی ہے، اس لیے یہ اشارہ ملتا ہے کہ انھوں نے تعین والی اضافی بات بیان کرنے میں بھی کوئی غلطی نہیں کی ہوگی۔ اس لیے ان کا یہ بیان کافی حدتک قوی ہو جاتا ہے۔ بنا بریں بطور دلیل نہیں تو بطور قرینہ اس سے استدلال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ اس سند میں ابن اسحاق کا عنعنہ ہے تو ماقبل میں وضاحت ہو چکی ہے کہ انھوں نے دوسرے طریق میں سماع کی صراحت کر دی ہے، اسی طرح یہ بھی واضح کیا جا چکا ہے کہ یزید بن ابی حبیب نے بھی اپنے ارسال کے واسطے کو واضح کر دیا ہے، لہٰذا سند کے بقیہ حصے میں فی الواقع کوئی عیب نہیں ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ ہم نے اسماعیل بن عیاش کی غیر شامی سے ابن ماجہ کی مذکورہ روایت کی مکمل تصحیح کر دی ہے، ہم نے اصولِ حدیث

---

[1] دیکھیں: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: (ص:۲۳۴ تا ۲۴۵)

کے مطابق اسے ضعیف ہی مانا ہے، لیکن تفصیلات بالا کی روشنی میں ہم اسے ایک قوی قرینہ قرار دیتے ہیں۔

سنن ابن ماجہ کے مخطوطات:

واضح رہے کہ سنن ابن ماجہ کے تمام مخطوطات (قلمی نسخوں) میں ابو عیاش کے ساتھ الزرقی کی تعیین موجود ہے۔

سنن ابن ماجہ کا سب سے قدیم نسخہ مکتبہ سلیمانیہ استانبول رقم (۹۹۷) کا نسخہ ہے، جو ۴۸۵ ہجری میں لکھا گیا ہے۔ یہ امام ابن ماجہ کے شاگرد ابوالحسن القطان کی روایت ہے۔ امام مزی رحمہ اللہ نے تحفۃ الاشراف میں اس پر بہت زیادہ اعتماد کیا ہے جا بجا اس کے حوالے دیے ہیں۔[1]

دار التاصیل والوں سے قبل سنن ابن ماجہ کے کسی بھی محقق کو یہ مخطوطہ نہیں مل سکا تھا۔ دار التاصیل والوں نے اس نسخے ہی کو اصل بنا کر تحقیق کی ہے اور اس کے لیے انھوں نے (س) کی علامت استعمال کی ہے۔ اس نسخے (ق ۱۴۸/ ب) میں بھی واضح طور پر ابو عیاش کی تعیین الزرقی سے موجود ہے اس کا عکس ملاحظہ ہو:

---

[1] مثلاً دیکھیں: تحفة الأشراف للمزي (٦/ ٣٧٨ رقم ٨٩٢٣)

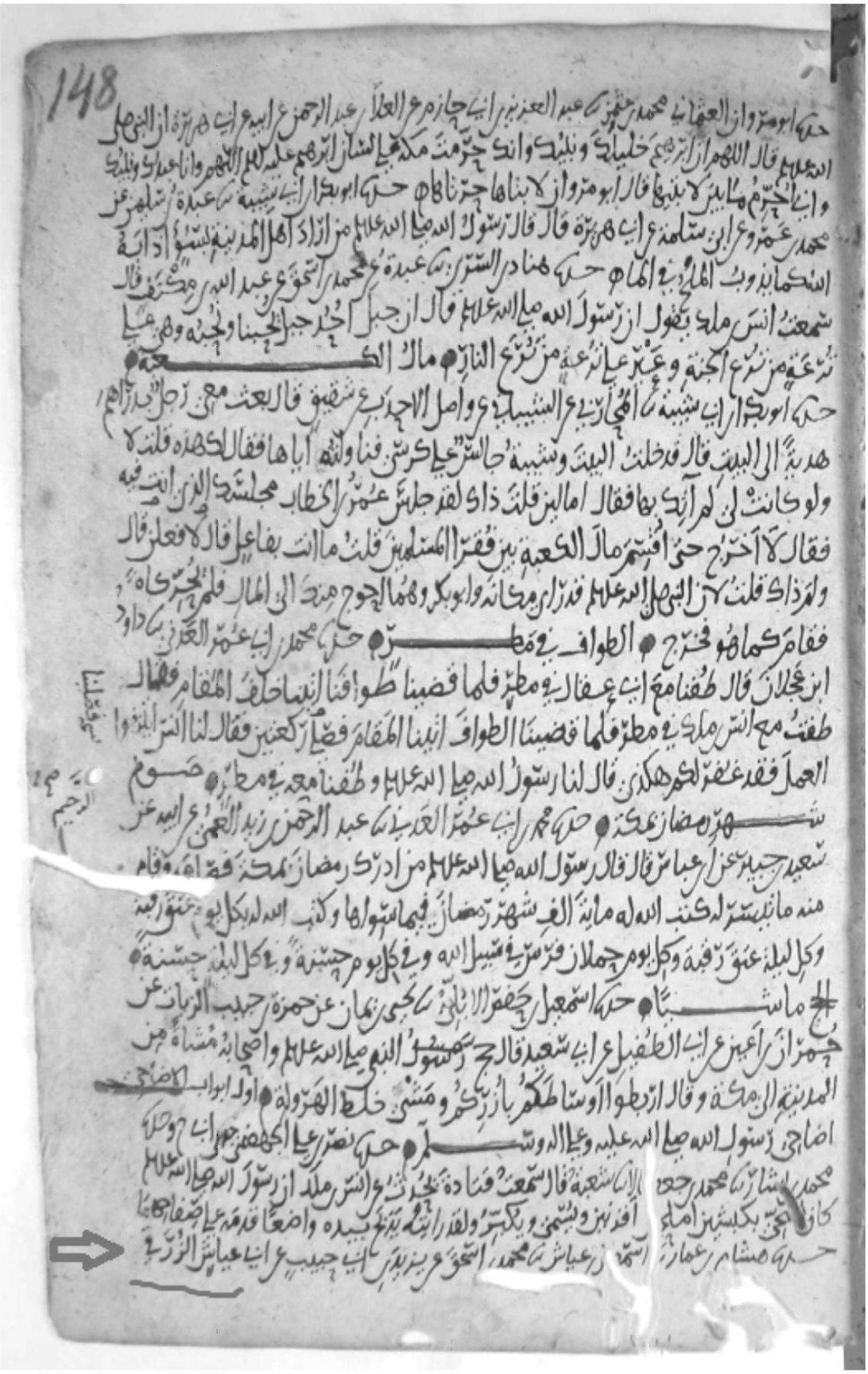

سنن ابن ماجہ کا ایک دوسرا مخطوطہ دار الکتب المصریہ في الخزانۃ التیموریہ رقم (۵۲۲) کا ہے جو ۵۷۰ ہجری میں لکھا گیا ہے۔ یہ بھی امام ابن ماجہ کے شاگرد ابو الحسن ابن القطان کی روایت سے ہے۔

شعیب ارناؤوط اور ان کے رفقاء نے اسے بھی بنیاد بنایا ہے، انھوں نے اس کے لیے (م) کی علامت استعمال کی ہے۔دار التاصیل والوں نے اس کے لیے (ت) کی علامت استعمال کی ہے۔دکتور عصام موسیٰ نے اس کے بارے میں "غاية في الإتقان" کہا ہے۔اس نسخے (ق۱/ ۱۵۲/ أ) میں بھی واضح طور پر ابو عیاش کی تعیین الزرقی سے موجود ہے۔اس کا عکس ملاحظہ ہو:

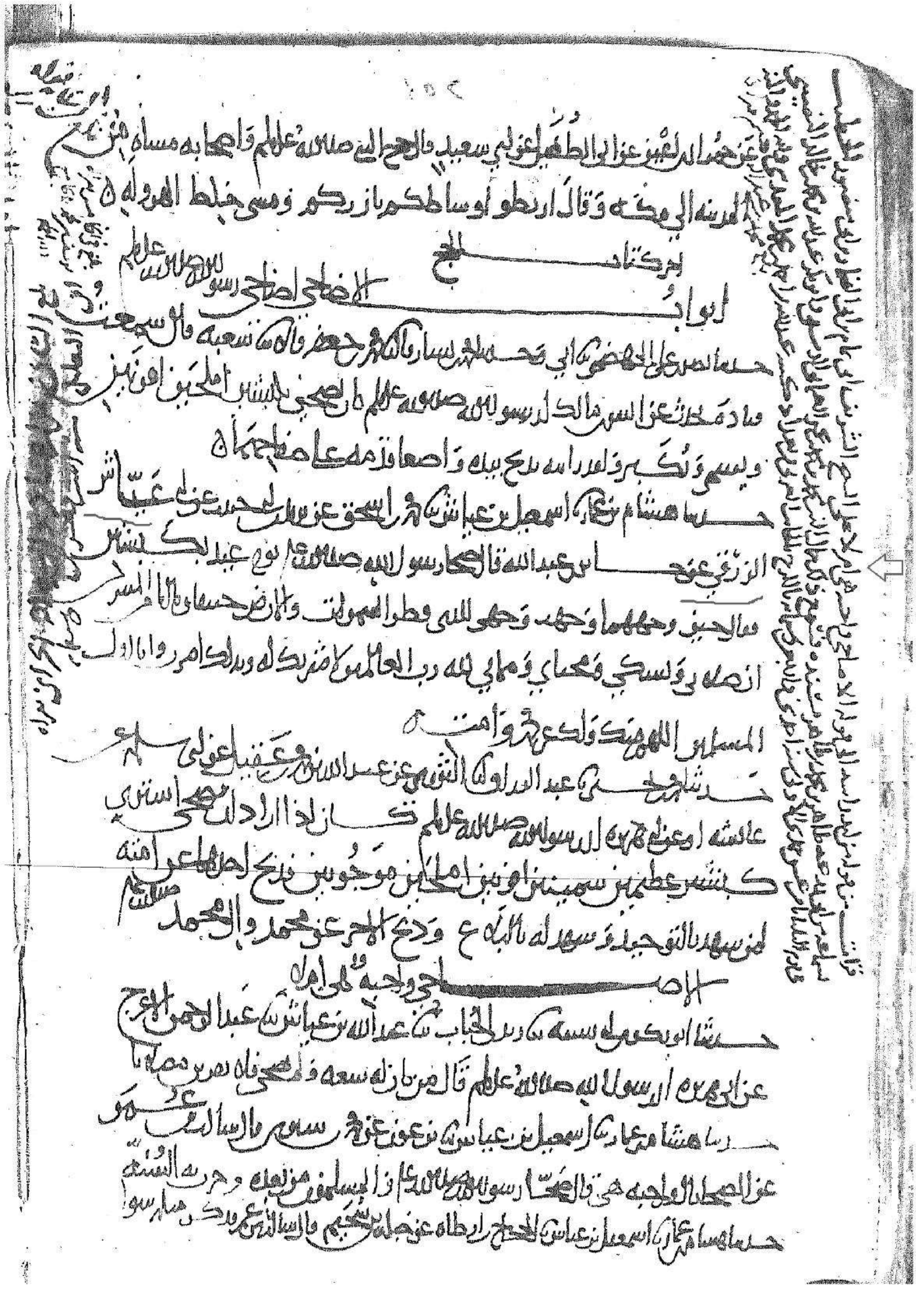

سنن ابن ماجہ کا ایک تیسرا مخطوطہ المکتبۃ الوطنیۃ بباریس رقم (۷۰۶) کا ہے، جو ۷۳۰ ہجری میں لکھا گیا ہے۔ شعیب ارناؤوط اور ان کے رفقاء نے اسے بھی بنیاد بنایا ہے، انھوں نے اس کے لیے (ذ) کی علامت استعمال کی ہے۔ اس نسخے میں بھی واضح طور پر ابو عیاش کی تعیین الزرقی سے موجود ہے، اس کا عکس ملاحظہ ہو:

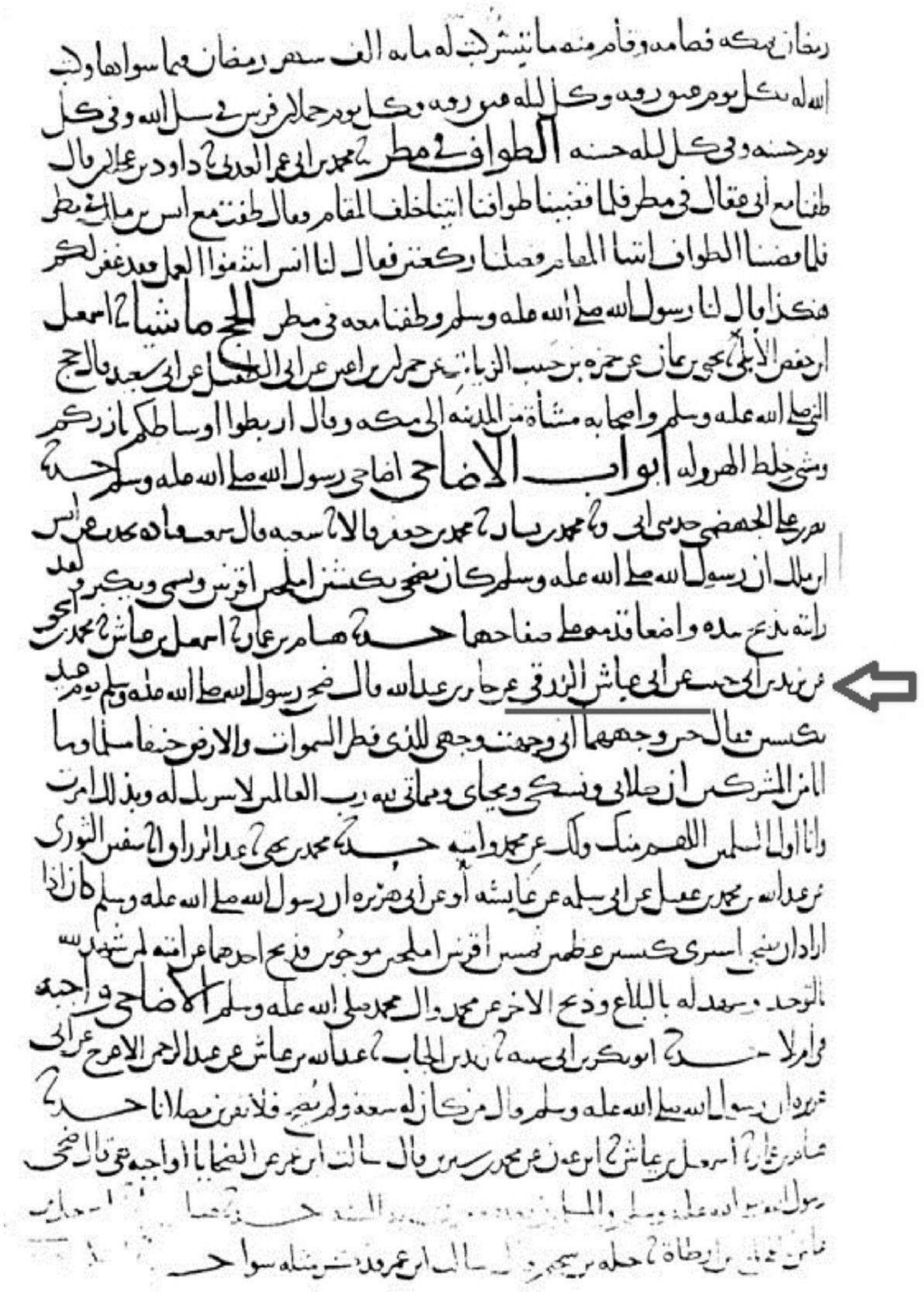

رمضان بمكة فصامه وقام منه ما تيسر كتب له مائة ألف شهر رمضان فيما سواها وكتب
الله بكل يوم عتق رقبة وكل ليلة عتق رقبة وكل يوم حملان فرس في سبيل الله وفي كل
يوم حسنة وفي كل ليلة حسنة الطواف في مطر حدثنا محمد بن أبي عمر العدني حدثنا داود بن عجلان قال
طفنا مع أبي عقال في مطر فلما قضينا طوافنا أتينا خلف المقام فقال طفت مع أنس بن مالك في مطر
فلما قضينا الطواف أتينا المقام فصلينا ركعتين فقال لنا أنس ائتنفوا العمل فقد غفر لكم
هكذا قال لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وطفنا معه في مطر الحج ماشيا حدثنا إسماعيل
ابن حفص الأبلي حدثنا يحيى بن يمان عن حمزة بن حبيب الزيات عن حمران بن أعين عن أبي الطفيل عن أبي سعيد قال حج
النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه مشاة من المدينة إلى مكة وقال اربطوا أوساطكم بأزركم
ومشى خلط الهرولة أبواب الأضاحي أضاحي رسول الله صلى الله عليه وسلم حدثنا
نصر بن علي الجهضمي حدثني أبي حدثنا محمد بن بشار حدثنا محمد بن جعفر قالا حدثنا شعبة قال سمعت قتادة يحدث عن أنس
ابن مالك أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يضحي بكبشين أملحين أقرنين ويسمي ويكبر ولقد
رأيته يذبح بيده واضعا قدمه على صفاحهما حدثنا هشام بن عمار حدثنا إسماعيل بن عياش حدثنا محمد بن إسحاق
عن يزيد بن أبي حبيب عن أبي عياش الزرقي عن جابر بن عبد الله قال ضحى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم عيد
بكبشين فقال حين وجههما إني وجهت وجهي للذي فطر السموات والأرض حنيفا مسلما وما
أنا من المشركين إن صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين لا شريك له وبذلك أمرت
وأنا أول المسلمين اللهم منك ولك عن محمد وأمته حدثنا محمد بن يحيى حدثنا عبد الرزاق أنبأنا سفيان الثوري
عن عبد الله بن محمد بن عقيل عن أبي سلمة عن عائشة أو عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا
أراد أن يضحي اشترى كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوءين فذبح أحدهما عن أمته لمن شهد لله
بالتوحيد وشهد له بالبلاغ وذبح الآخر عن محمد وآل محمد صلى الله عليه وسلم الأضاحي واجبة
هي أم لا حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة حدثنا زيد بن الحباب حدثنا عبد الله بن عياش عن عبد الرحمن الأعرج عن أبي
هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا حدثنا
هشام بن عمار حدثنا إسماعيل بن عياش حدثنا ابن عون عن محمد بن سيرين قال سألت ابن عمر عن الضحايا أواجبة هي قال ضحى
رسول الله [illegible]
[illegible]

سنن ابن ماجہ کا ایک چوتھا مخطوطہ مکتبہ عارف حکمت کا ہے، جو تقریبا ۱۳۳۶ ہجری سے قبل کا لکھا ہوا ہے، اس نسخے میں بھی واضح طور پر ابو عیاش کی تعیین الزرقی سے موجود ہے اس کا عکس ملاحظہ ہو:

الحج ماشيا حدثنا اسمعيل بن حفص الابلي ثنا يحيى بن يمان عن حمزة بن حبيب الزيات عن حمران بن اعين عن ابي الطفيل عن ابي سعيد قال حج النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه مشاة من المدينة الى مكة وقال اربطوا ازركم ومشوا خلط الهرولة

حدثنا نصر بن علي الجهضمي حدثني ابي وحدثنا محمد بن بشار ثنا محمد بن جعفر قالا ثنا شعبة قال سمعت قتادة يحدث عن انس بن مالك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يضحي بكبشين املحين اقرنين ويسمي ويكبر ولقد رايته يذبح بيده واضعا قدمه على صفاحهما ۔ حدثنا هشام بن عمار ثنا اسمعيل بن عياش ثنا محمد بن اسحق عن يزيد بن ابي حبيب عن ابي عياش الزرقي عن جابر بن عبد الله قال ضحى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم عيد بكبشين فقال حين وجههما وجهت وجهي للذي فطر السموات والارض حنيفا وما انا من المشركين ۔ ان صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين ۔ لا شريك له وبذلك امرت وانا اول المسلمين ۔ اللهم منك ولك عن محمد وامته ۔ حدثنا محمد بن يحيى ثنا عبد الرزاق انبانا الثوري عن عبد الله بن محمد بن عقيل عن ابي سلمة عن عائشة او عن ابي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا اراد ان يضحي اشترى كبشين عظيمين سمينين اقرنين املحين موجوءين فذبح احدهما عن امته لمن شهد بالتوحيد وشهد له بالبلاغ وذبح الاخر عن محمد وال محمد صلى الله عليه وسلم

الاضاحي واجبة هي ام لا

حدثنا ابو بكر بن ابي شيبة ثنا زيد بن الحباب ثنا عبد الله بن عياش ثنا عبد الرحمن الاعرج عن ابي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا ۔ حدثنا هشام بن عمار ثنا اسمعيل بن عياش ثنا ابن عون عن محمد بن سيرين قال سالت ابن عمر عن الضحايا اواجبة هي قال ضحى رسول الله صلى الله عليه وسلم والمسلمون من بعده وجرت به السنة ۔ حدثنا هشام بن عمار ثنا اسمعيل بن عياش ثنا الحجاج بن ارطاة عن جبلة بن سحيم قال سالت ابن عمر فذكر مثله سواء ۔ حدثنا ابو بكر بن ابي شيبة ثنا معاذ بن معاذ عن ابن عون قال انباني ابو رملة عن مخنف بن سليم قال كنا وقوفا عند النبي صلى الله عليه وسلم بعرفة فقال يا ايها الناس ان على كل اهل بيت في كل عام اضحية وعتيرة اتدرون ما العتيرة هي التي يسميها الناس الرجبية

ثواب الاضحية

حدثنا عبد الرحمن بن ابراهيم الدمشقي ثنا عبد الله بن نافع حدثني ابو المثنى عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ما عمل ابن ادم يوم النحر عملا احب الى الله عز وجل من هراقة دم وانه ليأتي يوم القيامة بقرونها واظلافها واشعارها وان الدم ليقع من الله بمكان قبل ان يقع على الارض فطيبوا بها نفسا ۔ حدثنا محمد بن خلف العسقلاني ثنا ادم بن ابي اياس ثنا سلام بن مسكين ثنا عائذ الله عن ابي داود عن زيد بن ارقم قال قال اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يا رسول الله ما هذه الاضاحي قال سنة ابيكم ابراهيم قالوا فما لنا فيها يا رسول الله قال بكل شعرة حسنة قالوا فالصوف يا رسول الله قال بكل شعرة من الصوف حسنة

ما يستحب من الاضاحي

حدثنا محمد بن عبد الله بن نمير ثنا حفص بن غياث عن جعفر بن محمد عن ابيه عن ابي سعيد قال ضحى رسول الله صلى الله عليه وسلم بكبش اقرن فحيل ياكل في سواد ويمشي في سواد ۔ حدثنا عبد الرحمن بن ابراهيم ثنا محمد بن شعيب

سنن ابن ماجہ کا پانچواں مخطوطہ المکتبۃ المحمودیۃ رقم (۸۵۶) کا ہے جو ۱۱۷۹ ہجری میں لکھا گیا ہے، اس نسخے میں بھی واضح طور پر ابو عیاش کی تعیین الزرقی سے موجود ہے اس کا عکس ملاحظہ ہو:

حمران بن اعین عن ابی الطفیل عن ابی سعید قال حج النبی صلی اللہ علیہ
وسلم واصحابہ مشاۃ من المدینۃ الی مکۃ وقال اربطوا وساطکم بازرکم
ومشی خلط الھرولۃ ابواب الاضاحی ھ باب اضاحی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم حدثنا نصر بن علی الجھضمی حدثنی ابی ح ونا محمد بن بشار نا
محمد بن جعفر قالا نا شعبۃ قال سمعت قتادۃ یحدث عن انس بن مالک
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یضحی بکبشین املحین اقرنین ویسمی ویکبر
ولقد رایتہ یذبح بیدہ واضعا قدمہ علی صفاحہما حدثنا ھشام بن
عمار نا اسمعیل بن عیاش نا محمد بن اسحاق عن یزید بن ابی حبیب عن ابی عیاش
الزرقی عن جابر بن عبد اللہ قال ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم عید
بکبشین فقال حین وجہہما انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض
حنیفا مسلما وما انا من المشرکین ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ
رب العالمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین اللہم منک
ولک عن محمد وامتہ حدثنا محمد بن یحیی نا عبد الرزاق انا سفیان الثوری
عن عبد اللہ بن محمد بن عقیل عن ابی سلمۃ عن عائشۃ او عن ابی ھریرۃ ان رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد ان یضحی اشتری کبشین عظیمین سمینین
اقرنین املحین موجوئین فذبح احدہما عن امتہ لمن شہد للہ بالتوحید
وشہد لہ بالبلاغ وذبح الاخر عن محمد وال محمد صلی اللہ علیہ وسلم باب
الاضاحی واجبۃ ھی ام لا حدثنا ابو بکر بن ابی شیبہ نا زید بن الحباب
نا عبد اللہ بن عیاش عن عبد الرحمن الاعرج عن ابی ھریرۃ ان رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان لہ سعۃ ولم یضح فلا یقربن مصلانا
حدثنا ھشام بن عمار حدثنا اسمعیل بن عیاش نا ابن عون عن محمد بن
سیرین قال سالت ابن عمر عن الضحایا اواجبۃ ھی فقال ضحی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم والمسلمون من بعدہ وجرت بہ السنۃ حدثنا ھشام
ابن عمار نا اسمعیل بن عیاش نا الحجاج بن ارطاۃ نا جبلۃ بن سحیم قال
سالت ابن عمر فذکر مثلہ سواء حدثنا ابو بکر بن ابی شیبہ نا معاذ بن
معاذ عن ابن عون قال انبانی ابو رملۃ عن مخنف بن سلیم قال کنا وقوفا
عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعرفۃ فقال یا ایہا الناس ان علی کل اھل بیت
فی کل عام اضحیۃ وعتیرۃ اتدرون ما العتیرۃ ھی التی یسمیہا الناس الرجبیۃ
باب ثواب الاضحیۃ حدثنا عبد الرحمن بن ابراھیم الدمشقی
نا عبد اللہ بن نافع قال حدثنی ابن المثنی عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن
عائشۃ رضی اللہ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما عمل ابن ادم یوم
النحر عملا احب الی اللہ عز وجل من ھراقۃ دم وانہ لیاتی یوم القیمۃ
بقرونہا واظلافہا واشعارہا وان الدم لیقع من اللہ بمکان قبل ان
یقع الارض فطیبوا بہا نفسا حدثنا محمد بن خلف العسقلانی نا ادم بن
ابی ایاس نا سلام بن مسکین نا عائذ اللہ عن ابی داود عن زید بن ارقم قال

مذکورہ بالا تمام مخطوطات کے بارے میں مکمل تفصیلات کے لیے سنن ابن ماجہ کے محققین کا مقدمہ ملاحظہ فرمائیں۔

یہاں صرف چند مخطوطات کی تصاویر پیش کی گئی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس وقت روئے زمین پر سنن ابن ماجہ کے جتنے بھی مخطوطے ہیں، سب میں متفقہ طور پر ابوعیاش کے ساتھ الزرقی کی تعیین موجود ہے۔

شعیب الارناؤوط اور ان کے رفقاء نے تین بہت اہم اور متقن نسخوں سے سنن ابن ماجہ کی تحقیق کی ہے، انھوں نے اعتراف کیا ہے کہ ان کے پیشِ نظر سارے مخطوطات میں الزرقی کی تعیین موجود ہے۔[1] دکتور عصام موسیٰ ہادی نے چھ قلمی نسخوں کو سامنے رکھتے ہوئے ابن ماجہ کی تحقیق کی ہے۔ انھوں نے بھی اصل متن میں الزرقی کا لفظ باقی رکھا ہے۔[2] برصغیر کے جامعات میں درس کے لیے ماضی قریب میں جو قلمی نسخہ لکھا گیا، اس میں بھی الزرقی کی صراحت موجود ہے۔

الغرض ہمارے علم کی حد تک دنیا کے کسی کونے میں بھی ابن ماجہ کا ایسا کوئی نسخہ نہیں پایا جاتا جس میں زیرِ بحث روایت کی سند میں الزرقی کی صراحت نہ ہو۔ جہاں تک مطبوعہ نسخوں کی بات ہے تو ہمارے علم کے مطابق عصرِ حاضر میں سب سے پہلے فؤاد باقی کی تحقیق سے ابن ماجہ کی طباعت ہوئی اور اس میں بھی الزرقی کا لفظ موجود ہے۔[3] عصام موسیٰ ہادی نے چھ قلمی نسخوں کو سامنے رکھتے ہوئے ابن ماجہ کی تحقیق کی ہے، انھوں نے بھی اصل متن میں الزرقی کا لفظ باقی رکھا ہے۔[4] سب سے آخر میں دار التاصیل والوں نے تحقیق کی ہے۔ انھوں نے بھی سند میں الزرقی کا لفظ باقی رکھا ہے۔[5]

---

1. سنن ابن ماجه ت الأرناؤوط (٤/ ٣٠٠)
2. دیکھیں: سنن ابن ماجه به تحقيق عصام موسىٰ هادي، رقم (٣١٢١)
3. دیکھیں: سنن ابن ماجه بتحقيق فؤاد عبد الباقي، رقم الحديث (٣١٢١)
4. دیکھیں: سنن ابن ماجه بتحقيق عصام موسىٰ هادي، رقم الحديث (٣١٢١)
5. دیکھیں: سنن ابن ماجه مطبوعة دار التاصيل، رقم الحديث (٣١٣٨)

نوٹ:

دکتور بشار عواد، شعیب ارناؤوط اور علامہ البانی کے شاگرد مشہور حسن صاحبان نے اپنے اپنے محقق نسخے میں یہ لفظ ساقط کر دیا ہے، لیکن حاشیے میں انھوں نے اپنے اس تصرف کے لیے کسی مخطوطہ کا حوالہ نہیں دیا، بلکہ دیگر امور کو بنیاد بنایا ہے جس کا جائزہ ہم آگے پیش کریں گے۔

سردست عرض ہے کہ جس لفظ کی روایت پر دنیا کے تمام نسخے متفق ہوں، وہ لفظ کسی ناسخ کی غلطی سے درج نہیں ہوسکتا، بلکہ نسخوں کا اتفاق اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لفظ سند کے رواۃ ہی کی طرف سے ہے۔ اب اگر دیگر دلائل سے یہ ثابت بھی ہوجائے کہ سند میں اس لفظ کا اضافہ غلط ہے تو یہ راوی کی غلطی ہوگی، نسخوں کی نہیں، بنابریں نسخے میں تصرف علمی امانت کے سراسر خلاف ہے۔اسی لیے بعض محققین نے اس لفظ کے اضافے کو غلط ماننے کے باوجود بھی اپنے محقق نسخے میں اسے باقی رکھا ہے اور حاشیہ میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ مشہور حسن صاحب نے تو اصل متن سے زرقی کا لفظ غائب کردیا اور حاشیہ میں اپنے اس تصرف کی کوئی وضاحت نہیں کی جس سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ ابن ماجہ کے تمام نسخوں میں ایسا ہی ہوگا۔

الغرض دنیا کے کسی بھی کونے میں ابن ماجہ کے کسی ایسے نسخے کا سراغ نہیں ملتا جس میں زیرِ بحث روایت کی سند میں الزرقی کا لفظ موجود نہ ہو۔ عصرِ حاضر کے بعض محقق نسخوں میں محققین کا من مانی تصرف نسخوں کے اختلاف کی دلیل نہیں بن سکتا ہے۔اس لیے ابن ماجہ کے نسخے میں لفظ الزرقی کے وجود کو مشکوک یا غلط بتلانا سراسر زور زبردستی اور دھاندلی بازی ہے۔

امام مزی اور تحفۃ الاشراف:

امام مزی رحمہ اللہ نے تحفۃ الاشراف میں زیرِ بحث حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا تو

ان کے شاگرد کو ابو عیاش المعافری لکھا، اس سے کچھ لوگوں نے یہ نتیجہ کشید کرلیا کہ امام مزی کے پاس موجود نسخہ میں ایسا ہی ہوگا۔ حالانکہ امام مزی رحمہ اللہ کے پاس ابوالحسن القطان کی روایت کا سب سے صحیح ترین نسخہ تھا۔ کما مضی[1]. اس نسخے سے انھوں نے دیگر نسخوں کی غلطیاں بھی درست کی ہیں، لیکن ابوالحسن القطان کے نسخے کی تمام تر روایات میں الزرقی موجود ہے۔ نیز اس وقت ابن ماجہ کے کئی مخطوطات موجود ہیں، لیکن کسی میں بھی الزرقی کی جگہ المعافری نہیں ہے۔ اس لیے امام مزی رحمہ اللہ کا یہ تصرف اس بات کی قطعاً دلیل نہیں کہ ان کے پاس موجود کسی نسخے میں بھی ایسا رہا ہوگا، بلکہ قرینِ صواب بات یہی ہے کہ انھوں نے ایسا اپنے اجتہاد سے ہی لکھا ہے۔ بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس معاملے میں ان سے وہم ہوا ہو، کیوں کہ یہ معلوم بات ہے کہ امام مزی سے کئی صحابہ کے شاگردوں کے تعین میں تسامح ہوا ہے۔

دکتور محمد عبدالرحمٰن لکھتے ہیں:

"أخطأ المزي أحيانا في تعيين بعض الرواة عن الصحابة"[1]

"امام مزی رحمہ اللہ نے کہیں کہیں صحابہ سے روایت کرنے والے راویوں کے تعین میں غلطی کی ہے۔"

مسند رویانی کی ایک الگ حدیث:

مسند رویانی کی ایک الگ حدیث، جو قربانی والی زیرِ بحث حدیث نہیں ہے، اس کی سند میں خالد بن ابی عمران کے استاذ کی جگہ ابی عیاش المعافری متعین ہوکر آیا ہے اس کی بنیاد پر شعیب الارناؤوط اور ان کے رفقاء نے کہا ہے کہ قربانی والی اس حدیث میں بھی خالد بن ابی عمران کا استاذ ابو عیاش المعافری ہی ہے۔[2]

عرض ہے:

---

[1] الحافظ المزي والتخريج في كتابه تحفة الأشراف (ص: ١٤٥)

[2] سنن ابن ماجه ت الأرناؤوط (٤/ ٣٠٠ حاشيه ١)

اولاً: مسند رویانی کی یہ حدیث بالکل الگ ہے۔ امام الرویانی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۰۷) نے کہا:

"نا أحمد، نا عمي، أخبرني ابن لهيعة، عن خالد بن أبي عمران، عن أبي عياش المعافري، عن سهل بن سعد الساعدي، أن رسول الله ﷺ قال: كيف أنتم إذا بقيتم في حثالة من الناس"[1]

معلوم ہوا مسند رویانی والی یہ حدیث، قربانی والی زیرِ بحث حدیث نہیں ہے، بلکہ بالکل علاحدہ حدیث ہے، بلکہ اس میں صحابی جابر رضی اللہ عنہ نہیں، بلکہ سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یعنی یہ متن اور مخرج ہر لحاظ سے بالکل علاحدہ حدیث ہے۔ اب کسی دوسری حدیث میں خالد بن ابی عمران کا استاذ ابو عیاش المعافری ہے تو یہ لازم نہیں آتا کہ قربانی والی اس حدیث میں بھی اس کا استاذ یہی ہو، کیوں کہ خالد بن ابی عمران کے اساتذہ میں ابو عیاش الزرقی اور ابو عیاش المعافری دونوں ہیں، اس لیے ظاہر ہے کہ کسی حدیث میں الزرقی ان کے استاذ ہوں گے اور کسی حدیث میں المعافری، لہٰذا جب دو الگ الگ احادیث ہوں تو ایک میں کسی استاذ کی تعیین سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے میں بھی وہی استاذ ہو۔

ثانیاً: قربانی والی حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی ہے اور جابر رضی اللہ عنہ سے ابو عیاش کی روایات میں بھی الزرقی سے تعیین موجود ہے۔[2] ان روایات کو ہم آگے نقل کریں گے، ان شاء اللہ۔

حاصل یہ کہ قربانی والی زیرِ بحث حدیث کی جو سند سنن ابن ماجہ میں ابو عیاش کی تعیین الزرقی سے آگئی ہے، یہ تعیین ناسخ کی غلطی کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ حدیث کے رواۃ ہی کی طرف سے ہے، لہٰذا مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں یہ بھی ایک قرینہ ہے کہ اس سند میں یہی راوی ہے۔

---

[1] مسند الروياني (٢/ ٢٣٤)

[2] المعجم الكبير (١٩/ ١٧٦) سنن الدارقطني (٢/ ٢٤٥)

دوسرا قرینہ: علاقہ میں بُعد:

جابر رضی اللہ عنہ مدینہ ہی میں تحدیث کرتے تھے اور ابو عیاش المعافری المصری مصر کا رہنے والا ہے، اس کا مصر سے چل کر نہ تو مدینہ آنا ثابت اور نہ ہی جابر رضی اللہ عنہ کا مصر میں وارد ہونا ثابت ہے، جیسا کہ ابو عیاش المعافری کے تعارف میں تفصیلات پیش کی جا چکی ہیں۔لہٰذا اس سند میں المعافری المصری کے بجائے الزرقی المدنی ہی کا ہونا راجح ہے۔

تیسرا قرینہ: قدیم مصری مؤرخ کا بیان:

قدیم مصری مورخ و امام ابن عبد الحکم (المتوفی ۲۵۷) نے جابر رضی اللہ عنہ سے اہلِ مصر کی روایات کی فہرست پیش کی ہے، لیکن اس میں قربانی والی زیرِ بحث روایت نہیں ہے اور نہ ہی اس مقام پر جابر رضی اللہ عنہ سے ابوالعیاش المعافری کی کسی روایت کی طرف کوئی اشارہ ہے۔[1] اس سے پتا چلتا ہے کہ اہلِ مصر کے یہاں جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ حدیث مروی نہ تھی، لہٰذا اس سند میں المعافری المصری کے بجائے الزرقی المدنی ہی ہے۔

چوتھا قرینہ: متقدمین کا بیان:

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی زیرِ بحث قربانی والی حدیث میں ''ابوعیاش'' سے روایت کرنے والے ''خالد بن ابی عمران'' ہیں اور ان (خالد بن ابی عمران) کے اساتذہ میں ابوعیاش کی کنیت سے متقدمین ناقدین کے یہاں صرف ابوعیاش الزرقی ہی کا ذکر ملتا ہے، چنانچہ امام ابن ابی حاتم اپنے والد ابوحاتم (المتوفی ۲۷۷ھ) سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''خالد بن أبي عمران قاضي إفريقية روى عن سالم بن عبد الله وسليمان بن يسار و القاسم بن محمد ونافع وأبي

[1] فتوح مصر والمغرب (ص: ۳۰٤)

عياش الزرقي وحنش ووهب بن منبه، روى عنه يحيى بن سعيد الأنصاري وطلحة بن أبي سعيد والليث بن سعد وابن لهيعة وعبيد الله بن زحر، سمعت أبي يقول ذلك"[1]

"خالد بن ابی عمران یہ افریقہ کے قاضی تھے، انھوں نے سالم بن عبداللہ، سلیمان بن یسار، القاسم بن محمد، نافع، ابی عیاش الزرقی، حنش اور وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے۔ ان سے یحییٰ بن سعید الانصاری، طلحہ بن ابی سعید، اللیث بن سعد، ابن لہیعہ اور عبید اللہ بن زحر نے روایت کیا ہے، میں نے ایسا اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا ہے۔"

غور فرمائیں کہ ابو حاتم (المتوفی ۲۷۷) رحمہ اللہ جیسے ماہرِ فن اور متقدم ناقد نے خالد بن ابی عمران کے اساتذہ میں جس ابوعیاش کا ذکر کیا، اس کی تعیین الزرقی سے کی اور المعافری کا نام تک نہیں لیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ خالد بن ابی عمران کے اساتذہ میں ابوعیاش الزرقی ہی سب سے زیادہ مشہور ہیں، ہاں امام مزی وغیرہ نے خالد بن ابی عمران کے اساتذہ میں معافری کا تذکرہ کیا ہے، لیکن یہ لوگ امام ابوحاتم کے بعد کے ادوار کے ہیں۔ امام مزی سے قبل راقم الحروف کسی بھی ایسے عالم کا حوالہ تلاش نہیں کر سکا جس نے خالد بن ابی عمران کے اساتذہ میں ابو عیاش المعافری کا تذکرہ کیا ہو۔

یاد رہے کہ امام ابوحاتم نے ابوعیاش المصری کے تلامذہ میں خالد بن ابی عمران کا ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ ابن ابی حاتم کی کتاب میں ابوعیاش المصری کا سرے سے ترجمہ ہی نہیں ہے۔

تنبیہ:

علامہ البانی رحمہ اللہ اس بات پر دھیان نہیں دے سکے۔ زیرِ بحث حدیث کی سند

---

[1] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم، ت المعلمي (٣/ ٣٤٥)

میں ابوعیاش کا جو اصل شاگرد (خالد بن ابی عمران) ہے وہ ابوعیاش الزرقی کا بھی شاگرد ہے، اس لیے انھوں نے ابن ماجہ کی سند میں المعافری کے ہونے کو ترجیح دی ہے، لکھتے ہیں:

”ویؤید أنه غیره أنهم لم یذکروا في الرواة عنه یزید بن أبي حبیب، وإنما ذکروه في الرواة عن المعافري“[1]

”اور ابن ماجہ کی سند میں ابوعیاش یہ الزرقی کے علاوہ ہے، اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ ائمہ نے ابوعیاش الزرقی کے شاگردوں میں یزید بن حبیب کا تذکرہ نہیں کیا، بلکہ ابوعیاش المعافری ہی کے شاگردوں میں یزید بن حبیب کا تذکرہ کیا ہے۔“

عرض ہے کہ یہاں زیرِ بحث سند میں ابوعیاش کا شاگرد حبیب بن یزید ہے ہی نہیں، بلکہ یزید بن ابی عمران ہے جیسا کہ ابن اسحاق کی تحدیث والی دیگر سند میں صراحت ہے، جس کی وضاحت گزر چکی ہے۔اور یزید بن ابی عمران یہ ابوعیاش الزرقی کا شاگرد ہے جیسا کہ ابوحاتم کے مذکورہ قول میں صراحت ہے۔

نوٹ:

یاد رہے کہ یہاں ہمارا مقصود یہ نہیں کہ خالد بن ابی عمران کے اساتذہ میں ابو عیاش نام کے صرف الزرقی ہیں اور المعافری نہیں ہیں، یقیناً دونوں ان کے استاذ ہیں، لیکن اساتذہ کے بھی طبقات ہوتے ہیں، کچھ بہت ہی مشہور اور قابلِ ذکر ہوتے ہیں اور کچھ غیر معروف اور معمولی درجے کے ہوتے ہیں۔ چونکہ ابو حاتم نے خالد کے اساتذہ میں ابوعیاش کی کنیت سے صرف الزرقی کا تذکرہ کیا ہے، لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے اساتذہ میں اس کنیت سے یہی زیادہ مشہور اور قابل ذکر ہیں۔ یعنی ابوحاتم کی طرف سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خالد کے اساتذہ میں مطلق ابوعیاش کا ذکر ہو تو الزرقی ہی مراد ہونا چاہیے، کیوں کہ یہی ان کے اساتذہ میں زیادہ معروف ہیں۔

[1] إرواء الغليل (٤/ ٣٥١)

پانچواں قرینہ: شہرت:

ابو عیاش المعافری اور ابو عیاش الزرقی دونوں کے تلامذہ میں ''خالد بن ابی عمران'' کا ذکر ملتا ہے۔[1] بلکہ ابو عیاش الزرقی کے اساتذہ میں بھی جابر رضی اللہ عنہ کا ذکر ملتا ہے۔[2] ابو عیاش المعافری کے اساتذہ میں جابر رضی اللہ عنہ کا ذکر امام مزی نے کیا ہے۔[3] لیکن ہماری نظر میں یہ درست نہیں ہے، تاہم اسے تسلیم بھی کر لیں تو منظر یہ سامنے آتا ہے:

ابو عیاش المعافری اور ابو عیاش الزرقی دونوں ایک ہی طبقے کے ہیں۔ دونوں کے تلامذہ میں خالد بن ابی عمران بھی ہیں اور دونوں کے اساتذہ میں جابر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ لہٰذا جابر رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور خالد بن ابی عمران کے استاذ کے طور پر ابو عیاش کا مطلق ذکر آئے تو اسی ابو عیاش کو مراد لینا چاہیے جو مشہور و معروف ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ابو عیاش الزرقی مشہور و معروف ہیں، کیوں کہ ان کو متعدد محدثین نے صراحتاً ثقہ قرار دیا ہے اور موطا و سننِ اربعہ نیز مسند احمد و سنن دارمی و دیگر مشہور کتبِ احادیث میں ان کی روایات موجود ہیں۔ نیز شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی درجہ بندی کے اعتبار سے اول درجہ سے لے کر چہارم درجہ تک سب کتب میں ابو عیاش الزرقی کی روایت موجود ہے۔

اس کے برعکس ابو عیاش المعافری کی صریح توثیق کسی ایک بھی امام سے ثابت نہیں، حتی کہ امام ابن حبان نے بھی انھیں ثقات میں ذکر نہیں کیا۔ نیز موطا، سننِ اربعہ، مسند احمد، سنن دارمی اور دیگر مشہور کتبِ احادیث میں ان کی روایات بھی نہیں ہیں۔ بعض نے کتبِ ستہ میں صرف سنن ابی داود اور سنن ابن ماجہ میں ان کی روایت بتلائی ہے، لیکن اس کی بنیاد یہی قربانی والی حدیث ہی ہے جو زیرِ بحث ہے، اس لیے

---

1. دیکھیں: الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٣/ ٣٤٥) تهذيب الكمال، رقم الحديث (٧٥٥٦)
2. المعجم الكبير (١٩/ ١٧٦)
3. تهذيب الكمال، رقم الحديث (٧٥٥٦)

اس بحث میں یہ حوالہ مفید نہیں۔ یعنی کتبِ ستہ بلکہ کتبِ تسعہ میں بھی اس کی کوئی روایت موجود نہیں اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی درجہ بندی کے اعتبار سے پہلے درجے سے لے کر تیسرے درجے کی کتب میں اس کی ایک بھی حدیث نہیں ہے، بلکہ چوتھے درجے کی اور وہ بھی کافی نچلے طبقے کی کتب میں اس کی چند ہی احادیث ہیں۔

یعنی ابو عیاش الزرقی ثقہ راوی اور معروف ومشہور ہیں، جبکہ ابو عیاش المعافری مجہول الحال و غیر مشہور راوی ہے۔ لہٰذا ابو عیاش کا مطلق ذکر ہو تو ابو عیاش الزرقی ہی مراد ہوگا۔ علامہ البانی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

”وله شيخان كل منهما يدعى علي بن محمد، أحدهما: أبو الحسن الطنافسي مولىٰ آل الخطاب والآخر: القرشي الكوفي، وكلاهما يروي عن وكيع، ولذلك لم أستطع تعيين أيهما المراد هنا وإن كنت أميل إلى أنه الأول لأنه أشهر من الآخر، فيتبادر عند الإطلاق أنه المراد والله أعلم“ [1]

”یعنی فلاں راوی کے دو استاذ ایک ہی نام کے ہیں اور یہ دونوں وکیع کے شاگرد بھی ہیں، اس لیے یہاں ان دونوں میں سے کون مراد ہے؟ میں اس کی تعیین نہیں کرسکتا، گرچہ میرا میلان اس طرف ہے کہ یہاں علی بن محمد الطنافسی ہی مراد ہے، کیوں کہ یہ دوسرے کی بنسبت زیادہ مشہور ہے، لہٰذا علی الاطلاق علی بن محمد کا تذکرہ آئے تو ذہن اسی طرف جاتا ہے کہ یہی مراد ہے۔“

نوٹ:

پانچواں قرینہ، چوتھے قرینے سے ملتا جلتا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ چوتھے

[1] إرواء الغليل للألباني (٧/ ٢٠١)

قرینے میں صرف امام ابوحاتم کے کلام کو بنیاد بنا کر اسی حوالے سے بات کی گئی ہے، جبکہ پانچویں قرینے میں راوی کی عمومی حالت کی بنیاد پر گفتگو کی گئی ہے۔

چھٹا قرینہ: علاقے میں یکسانیت:

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ مدنی ہیں اور ابوعیاش الزرقی بھی مدنی ہیں۔ صحابی و تابعی کے علاقے کی یکسانیت اسی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ اس سند میں مذکور ''ابوعیاش'' یہ ابوعیاش الزرقی المدنی ہی ہیں۔

اس کے مقابل میں کہا جاسکتا ہے کہ سند میں ابوعیاش کے شاگرد خالد بن ابی عمران یہ مصری ہیں، اس لیے ابوعیاش کو مصری ماننے میں ان دونوں کا علاقہ یکساں ہے، مگر یہ دوسری بات اس وقت کمزور پڑ جاتی ہے جب ہم خالد بن ابی عمران کے اساتذہ کی فہرست دیکھتے ہیں اور نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ ان کے اساتذہ کی پچاس فیصد سے زائد تعداد مدینہ کی ہے اور باقی الگ الگ علاقوں کے ہیں اور مصر کے اساتذہ مشکل سے دو تین ہی ہیں۔ نیز ان کے اساتذہ میں مدنی اساتذہ کی جو فہرست ہے وہ کوئی معمولی لوگ نہیں ہیں، بلکہ ان میں سے تقریباً سب کے سب مدینہ کے ائمہ ومفتی وفقیہ ہیں، بلکہ چار تو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں، قدرے تفصیل سے جائزہ لینے کے لیے ان کے بعض مدنی اساتذہ کی فہرست پیشِ خدمت ہے:

1- ابوعبداللہ عروۃ بن الزبیر المدنی:

یہ خالد بن ابی عمران کے استاذ ہیں۔[1] یہ مدینہ کے بہت بڑے فقیہ اور امام اور کتبِ ستہ کے ثقہ رجال میں سے ہیں۔ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''الإمام، عالم المدينة''[2]

---

[1] تهذيب الكمال للمزي (٨/ ١٤٢)

[2] سير أعلام النبلاء للذهبي (٤/ ٤٢١)

’’ابو عبد اللہ القرشی، یہ امام اور مدینہ کے عالم تھے۔‘‘

بلکہ یہ مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ایک ہیں۔[1]

2- سلیمان بن یسار الہلالی المدنی:

یہ بھی خالد بن ابی عمران کے استاذ ہیں۔[2] یہ بھی مدینہ کے بہت بڑے امام و فقیہ اور کتبِ ستہ کے ثقہ رجال میں سے ہیں۔ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”عالم المدينة، ومفتيها“[3] ’’یہ مدینہ کے عالم اور مفتی تھے۔‘‘

بلکہ یہ بھی مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ایک ہیں۔[4]

3- سالم بن عبد اللہ القرشی المدنی الفقیہ:

یہ بھی خالد بن ابی عمران کے استاذ ہیں۔[5] یہ بھی مدینہ کے بہت بڑے امام و فقیہ اور کتبِ ستہ کے ثقہ رجال میں سے ہیں، امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”الإمام، الزاهد، الحافظ، مفتي المدينة“[6]

’’یہ امام، زاہد، حافظ اور مدینہ کے مفتی تھے۔‘‘

بلکہ یہ بھی مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ایک ہیں۔[7]

4- قاسم بن محمد بن ابی بکر المدنی:

یہ بھی خالد بن ابی عمران کے استاذ ہیں۔[8] یہ بھی مدینہ کے مشہور امام اور فقہاء

---

1. سير أعلام النبلاء للذهبي (٤/ ٤٢٦)
2. الجرح والتعديل لابن أبي حاتم، ت المعلمي (٣/ ٣٤٥)
3. سير أعلام النبلاء للذهبي (٤/ ٤٤٤)
4. تقريب التهذيب لابن حجر، رقم الحديث (٢٦١٩)
5. الجرح والتعديل لابن أبي حاتم، ت المعلمي (٣/ ٣٤٥)
6. سير أعلام النبلاء للذهبي (٤/ ٤٥٨)
7. تقريب التهذيب لابن حجر، رقم الحديث (٢١٧٦)
8. الجرح والتعديل لابن أبي حاتم، ت المعلمي (٣/ ٣٤٥)

میں سے تھے اور کتبِ ستہ کے ثقہ رجال میں سے ہیں۔ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الإمام، القدوة، الحافظ، الحجة، عالم وقته بالمدينة مع سالم وعكرمة" [1]

"یہ امام، قدوۃ، حافظ، حجت اور سالم وعکرمہ کی طرح مدینہ میں اپنے وقت کے امام تھے۔"

بلکہ یہ بھی مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ایک ہیں۔ [2]

5- عکرمۃ القرشی المدنی، مولیٰ عبد اللہ بن عباس:

یہ بھی خالد بن ابی عمران کے استاذ ہیں۔ [3] یہ بھی مدینہ کے بہت بڑے امام ومفسر اور کتبِ ستہ کے ثقہ رجال میں سے ہیں۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے ماقبل کے حوالے میں مدینہ کے ائمہ قاسم بن محمد اور سالم بن عبد اللہ کے ساتھ ان کا بھی ذکر کیا ہے۔

6- نافع مولیٰ ابن عمر المدنی:

یہ بھی خالد بن ابی عمران کے استاذ ہیں۔ [4] یہ بھی مدینہ کے بہت بڑے امام و مفتی اور کتبِ ستہ کے ثقہ رجال میں سے ہیں۔ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الإمام، المفتي، الثبت، عالم المدينة" [5]

"آپ امام، مفتی، ثبت اور مدینہ کے عالم تھے۔"

---

[1] سير أعلام النبلاء للذهبي (٥/ ٥٤)

[2] الأعلام للزركلي (٥/ ١٨١)

[3] تهذيب الكمال للمزي (٨/ ١٤٢)

[4] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم، ت المعلمي (٣/ ٣٤٥)

[5] سير أعلام النبلاء للذهبي (٥/ ٩٥)

7- ابو حازم سلمة بن دینار المدنی:

یہ بھی خالد بن ابی عمران کے استاذ ہیں۔[1] یہ بھی مدینہ کے بہت بڑے امام بلکہ شیخ الاسلام اور کتبِ ستہ کے ثقہ رجال میں سے ہیں۔ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"شيخ المدينة النبوية"[2] "یہ نبوی شہر مدینہ کے شیخ تھے۔"

علامہ زرکلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"عالم المدينة وقاضيها وشيخها"[3]

"یہ مدینہ کے عالم، قاضی اور شیخ تھے۔"

8- ابو الحارث عامر بن عبد اللہ بن الزبیر المدنی:

یہ بھی خالد بن ابی عمران کے استاذ ہیں۔[4] یہ بھی مدینہ کے بہت بڑے امام اور کتبِ ستہ کے ثقہ رجال میں سے ہیں۔

9- عبد اللہ بن رافع المخزومی، المدنی:

یہ بھی خالد بن ابی عمران کے استاذ ہیں۔[5] یہ بھی مدینہ کے راوی اور صحیح مسلم اور سننِ اربعہ کے ثقہ رجال میں سے ہیں۔

10- سعد بن اسحاق بن کعب المدنی الانصاری:

یہ بھی خالد بن ابی عمران کے استاذ ہیں۔[6] یہ مدینہ کے راوی اور سننِ اربعہ

---

[1] شرح أصول اعتقاد (١/ ١٣١)

[2] سير أعلام النبلاء للذهبي (٦/ ٩٦)

[3] الأعلام للزركلي (٣/ ١١٣)

[4] الفوائد المنتقاة لأبي بكر الشافعي مخطوط رقم (٨٨) ترقيم جوامع الكلم.

[5] المعجم الأوسط (٨/ ٣٠٧)

[6] تهذيب الكمال للمزي (٨/ ١٤٢)

کے ثقہ رجال میں سے ہیں۔

یہ صرف دس ثقہ مدنی اساتذہ کا ذکر ہے ورنہ یہ فہرست اور بھی طویل ہے۔ اس تفصیل سے پتا چلا کہ خالد بن ابی عمران کی مرویات کا سب سے بڑا سورس مدینہ ہے، ان کے اساتذہ میں مدنی اساتذہ ہی کا غلبہ اور انھیں کی اکثریت ہے۔اس لیے اس سند میں ان کے استاذ ابوعیاش کے مدنی ہونے کا پہلو مصری ہونے کے پہلو سے زیادہ راجح ہے، بالخصوص جبکہ ان کے شیخ الشیخ جابر رضی اللہ عنہ بھی مدنی ہیں۔

ساتواں قرینہ: جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ابوعیاش کی روایات میں صراحت:

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ ابوعیاش کی جتنی بھی مرویات ہیں، ان میں سے کسی ایک سند میں بھی ابوعیاش کی تعیین معافری سے نہیں ہوئی، بلکہ اس کے برعکس تین سندوں میں ابوعیاش کی تعین الزرقی یا اس کے ہم معنی لفظ سے ہوئی ہے۔

پہلی سند:

حدثنا الحسين بن إسحاق التستري، ثنا بشر بن آدم، قال: ثنا يعقوب بن محمد الزرقي، قال: حدثتني كرامة بنت الحسين بن الحارث بن عبد الله بن كعب المازني، وكان عبد الله بن كعب على ثقل النبي ﷺ يوم بدر: قالت: سمعت أبي يحدث عن أبي عياش الزرقي عن جابر بن عبد الله حدثني كعب بن عاصم الأشعري قال: رأيت النبي ﷺ يخطب أوسط أيام الأضحى عند الجمرة"[1]

دوسری سند:

"نا علي بن عبد الله بن مبشر، نا أحمد بن سنان القطان، نا

[1] المعجم الكبير (١٩/ ١٧٦)

يعقوب بن محمد حدثتنا كرامة بنت الحسين المازنية قالت: سمعت أبي يذكر عن أبي عياش الأنصاري عن جابر بن عبد الله الأنصاري عن كعب بن عاصم الأشعري: أن رسول الله ﷺ خطب بمنى أوسط أيام الأضحى، يعني الغد من يوم النحر“[1]

نوٹ:

ابوعیاش الزرقی ہی مدنی ہیں، لہٰذا انصاری بھی یہی ہیں جیسا کہ طبرانی کی روایت کردہ اسی طریق میں صراحت ہے، نیز طبرانی میں زرقی اور دارقطنی کی روایت میں انصاری کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس طریق میں ابوعیاش کی تعیین میں تصحیف یا تحریف نہیں ہوئی۔ ماقبل میں طبرانی اور سنن دارقطنی کی ان دونوں سندوں کا طریق ایک ہی ہے، لیکن ہم نیچے سند اور کتاب کے الگ الگ ہونے پر اسے دوشمار کر رہے ہیں۔

تیسری سند:

زیرِ بحث روایت کی وہ سند جو ابن ماجہ میں ہے، كما سيأتي. یہ تینوں سندیں گرچہ ضعیف ہیں اور ان تینوں کے متون بھی الگ الگ ہیں، مگر ان تینوں اسانید میں مشترک بات یہ ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے ابوعیاش کی تعیین الزرقی سے وارد ہے، لہٰذا تینوں سندوں میں موجود یہ مشترک بات اپنے اندر قوت رکھتی ہے، گرچہ انفرادی طور پر تینوں سندیں ضعیف ہیں، بلکہ اس طرح کی صورت حال اگر متونِ حدیث میں نظر آتی ہے تو وہاں بھی مشترک بات کو قوی قرار دیا جاتا ہے، گرچہ بقیہ متون ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے سبب ضعیف قرار پائیں، مثلاً:

---

[1] سنن الدارقطني (٢/ ٢٤٥)

جنازے میں تین صف بنانے سے متعلق دو حدیثیں مروی ہیں اور دونوں ضعیف اور دونوں کا مجموعی متن بھی الگ الگ ہے، چنانچہ پہلی حدیث ہے:

”عن أبي أمامة قال: صلى النبيﷺ على جنازة ومعه سبعة نفر فجعل ثلاثة صفا واثنين صفا واثنين صفا“[1]

یعنی ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ایک جنازے کی نماز پڑھائی اور اس وقت آپ کے ساتھ سات افراد تھے، پس آپ نے (تین صفیں بنائیں)، ایک صف میں تین لوگوں کو کھڑا کیا، دوسری صف میں دو لوگوں کو اور تیسری صف میں بھی دو لوگوں کو کھڑا کیا۔

اور دوسری حدیث ہے:

”عن مالك بن هبيرة قال: قال رسول اللهﷺ: ما من مسلم يموت فيصلي عليه ثلاثة صفوف من المسلمين إلا أوجب“[2]

”مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جو مسلم بھی فوت ہو اور مسلمانوں کی تین صفیں اس کی نمازِ جنازہ پڑھ لیں تو اس پر جنت واجب ہے۔“

غور کریں کہ ان دونوں احادیث کا متن الگ الگ ہے، پہلی حدیث میں آپ ﷺ کے فعل کا ذکر ہے اور دوسری میں قول کا ذکر ہے، لہٰذا مختلف المتن ہونے کی بنیاد پر یہ دونوں روایات ضعیف ہیں اور باہم مل کر بھی صحیح نہیں ہوسکتیں، لیکن ان دونوں روایات میں ایک بات مشترک ہے اور وہ ہے تین صف کی بات، پس اس

---

[1] المعجم الكبير (٨/ ١٩٠) وإسناده ضعيف.

[2] سنن أبي داود (٣/ ٢٠٢) وإسناده ضعيف.

مشترکہ بات کی تقویت ملتی ہے، چنانچہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے ان دونوں روایات کو ضعیف قرار دیا ہے اور انھیں ایک دوسرے سے ملا کر بھی صحیح نہیں کہا، کیوں کہ دونوں کا متن الگ الگ ہے، لیکن ان دونوں روایات میں جو تین صف والی مشترک بات ہے، اسے علامہ البانی رحمہ اللہ نے مشروع قرار دیا ہے۔[1]

یاد رہے کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے ان دونوں احادیث میں کسی بھی حدیث کو صحیح نہیں کہا ہے، کیوں کہ دونوں مختلف المتن ہیں، لیکن چونکہ تین صف والی بات گرچہ الگ الگ سیاق میں مگر دونوں روایات میں موجود ہے، اس لیے صرف اس حصے کو قوی مان کر اس سے استدلال کیا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہی معاملہ اوپر کی تینوں ضعیف سندوں میں بھی ہے، یعنی یہ سندیں سب کی سب اگرچہ ضعیف ہیں، لیکن ابو عیاش کی زرقی سے تعیین والی بات تو تینوں میں مشترک ہے، اس لیے یہ بات مضبوط ہے۔

آٹھواں قرینہ: زیرِ بحث روایت کی تصحیح از نقاد محدثین:

متعدد نقاد محدثین نے ابو عیاش کی اس روایت کو صحیح کہا ہے، كما سيأتي۔ اس میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس سند میں ثقہ راوی ابو عیاش زرقی ہی ہے، کیوں کہ اگر اس سند میں ابو عیاش معافری نامعلوم التوثیق ہوتا تو محدثین اس کی سند کو صحیح ہرگز نہیں قرار دیتے۔

فریقِ مخالف کی طرف سے پیش کردہ قرائن کا جائزہ:

1- امام مزی کا تحفۃ الاشراف میں زیرِ بحث حدیث کے ذکر کے بعد جابر کے شاگرد کو المعافری بتلانا۔

عرض ہے کہ اس کا جواب پہلے قرینے کے تحت دیا جا چکا ہے۔ یاد رہے کہ

[1] أحكام الجنائز (ص: ۱۰۰)

امام مزی نے تہذیب الکمال میں بھی قربانی والی یہ حدیث ذکر کی ہے اور اس میں موجود ابوعیاش کا تعین المعافری سے کیا ہے، پھر ان کے بعد جتنے بھی اہلِ علم نے اس حدیث میں ابوعیاش سے المعافری مراد لیا ہے، سب نے امام مزی ہی پر اعتماد کیا ہے، یوں سب سے پہلے امام مزی رحمہ اللہ سے چوک ہوئی، پھر بعد کے اہلِ علم بھی یہ غلطی دہراتے گئے۔ امام مزی نے بھی غالباً امام مقدسی کی الکمال پر اعتماد کرتے ہوئے ایسا کہا ہے، یعنی اس معاملے میں سب سے پہلے وہم کا شکار امام مقدسی ہوئے ہیں۔ والله أعلم.

اور ایسا صرف اسی معاملے میں نہیں ہوا، بلکہ اور بھی مثالیں ہیں جہاں امام مزی سے چوک ہوئی اور بعد کے علماء امام مزی ہی کی بات کو دہراتے گئے۔ مثلاً: امام مزی نے مومل بن اسماعیل کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ سے منکرالحدیث کی جرح نقل کر دی، پھر بعد کے اہلِ علم، مثلاً: ذہبی، ترکمانی، ابن کثیر، زرکشی اور ابن حجر رحمہم اللہ وغیرہم اسی کو دہراتے گئے۔[1]

2- مسند الرویانی میں ایک دوسری حدیث میں خالد بن ابی عمران کے استاذ ابوعیاش کی المعافری سے تعیین۔

عرض ہے کہ اس کا جواب بھی پہلے قرینے کے تحت دیا جا چکا ہے۔

3- ابوعیاش المعافری کے شاگردوں میں یزید بن ابی حبیب کا ذکر ہونا۔

عرض ہے کہ اس کا جواب بھی چوتھے قرینے کے تحت علامہ البانی رحمہ اللہ کا کلام نقل کرتے ہوئے دیا جا چکا ہے۔ مکرر عرض ہے کہ یزید بن ابی حبیب کے اساتذہ میں سرے سے کوئی ابوعیاش ہے ہی نہیں، کیونکہ ''یزید بن ابی حبیب'' کا سماع ''خالد بن ابی عمران'' سے فی الحقیقت ثابت ہی نہیں اور کسی بھی روایت میں اس کا ثبوت موجود نہیں ہے، بعض اہلِ علم نے غالباً ابن ماجہ وغیرہ کی اسی منقطع سند کو دیکھ کر یزید کے

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: أنوار البدر في وضع اليدين على الصدر (ص: ٤٠٧)

اساتذہ میں ابو عیاش کا تذکرہ کردیا ہے، لیکن حقیقت میں اس سند میں ایک راوی ساقط ہے جیسا کہ مسند احمد کے طریق میں ہے جو صحیح ہے۔

واضح رہے کہ منقطع سند سے دھوکا کھا کر اساتذہ وتلامذہ کا غلط رشتہ بتلانے کی اور بھی مثالیں ہیں، مثلاً: سعید بن ابی ہند کا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔[1] لیکن اگر آپ تہذیب دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ سعید کے اساتذہ میں ابو ہریرہ کا ذکر موجود ہے، اسی طرح ابو ہریرہ کا ترجمہ دیکھیں گے تو ان کے شاگردوں میں سعید کا تذکرہ موجود ہے، کیوں کہ بعض سندوں میں ایسا وارد ہوا ہے، لیکن فی الحقیقت وہ سند منقطع ہے۔

4- یزید بن ابی عمران اور ابو عیاش المعافری کا ہم علاقہ ہونا۔

عرض ہے کہ اس کا جواب بھی چھٹے قرینے کے تحت دیا جا چکا ہے۔

5- امام مسلم وغیرہ نے الکنیٰ میں ابو عیاش زید یعنی الزرقی کا تذکرہ کرنے کے بعد ابوعیاش کا تذکرہ کیا ہے اور اس کے اساتذہ میں جابر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے، چنانچہ امام مسلم فرماتے ہیں:

”أبو عياش عن جابر بن عبد الله، روى عنه يزيد بن أبي حبيب وخالد بن أبي عمران“[2]

”ابوعیاش یہ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے اور اس سے یزید بن ابی حبیب اور خالد بن ابی عمران روایت کرتے ہیں۔“

عرض ہے:

اولاً: یہاں امام مسلم نے ابو عیاش کے ساتھ المعافری کی صراحت نہیں کی ہے، اس لیے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ امام مسلم نے ابو عیاش سے ابو عیاش المعافری

[1] المراسيل لابن أبي حاتم (ص: ٥٢)

[2] الكنىٰ والأسماء للإمام مسلم (١/ ٦٣٦)

ہی کو مراد لیا ہے، کیوں کہ ہو سکتا ہے امام مسلم نے سند میں اس کے ذکر کے اعتبار سے اس کے استاذ اور شاگرد کا تذکرہ کر دیا ہو، اور خود اس کی حالت ان پر مخفی ہی رہی ہو اور ان پر یہ واضح نہ ہو سکا ہو کہ یہ ابو عیاش کون ہے؟ اس لیے اس کا علاحدہ ذکر کر دیا۔

ایسی صورت میں اگر اس کی حالت امام مسلم رحمہ اللہ پر منکشف ہوتی تو یہ ان کی نظر میں الزرقی بھی ہو سکتا تھا، لہٰذا اس اجمالی بیان سے یہ حتمی نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ امام مسلم نے المعافری ہی کو مراد لے کر جابر رضی اللہ عنہ کو ان کا استاذ بتایا ہے۔

ثانیاً: بالفرض مان لیں کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے یہاں المعافری ہی کو مراد لیا ہے تو اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوگا کہ ابو عیاش المعافری کے استاذ جابر رضی اللہ عنہ ہیں، لیکن زیرِ بحث سند میں بھی ابو عیاش المعافری کے استاذ جابر رضی اللہ عنہ ہی ہیں یہ محض امام مسلم کے اس بیان سے قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔ دیکھیے اوپر مذکور قرائن میں، پہلا، چوتھا، پانچواں، چھٹا، ساتوں اور آٹھواں قرینہ۔

تیسرا اعتراض: صحیح حدیث کی مخالفت:

زیرِ بحث حدیث پر ایک تیسرا اعتراض یہ ہے کہ بوقتِ ذبح ذکر و دعا پڑھنے سے متعلق جو دیگر روایات ہیں، ان میں جابر رضی اللہ عنہ والی زیرِ بحث حدیث کے کلمات نہیں ہیں، لہٰذا جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان دیگر احادیث کے خلاف ہے۔

عرض ہے کہ یہ غیر اصولی بات ہے۔ کسی حدیث کی تضعیف کے بعد بطور تائید تو اس طرح کی بات کہی جاسکتی ہے، مگر بطور دلیل یعنی تضعیفِ حدیث کی دلیل کے طور پر اس طرح کی بات کرنا اصولِ حدیث کے خلاف ہے۔

نیز یہاں معاملہ مخالفت کا نہیں بلکہ اختصار اور تفصیل کا ہے، اس لیے اسے مخالفت نہیں البتہ اسے زیادتِ ثقہ کہا جا سکتا ہے۔ مخالفت کا اطلاق عام طور سے اس

وقت ہوتا ہے جب ایک چیز کی جگہ ایسی چیز ذکر کی جائے جس سے اول الذکر چیز پرعمل ممکن نہ ہو، لیکن اگر ایک چیز کے ساتھ ایسی چیز ذکر کی جائے جو اول الذکر چیز کے مخالف نہ ہو، بلکہ ایک زائد چیز ہو تو اسے مخالفت نہیں کہتے، بلکہ اسے زیادتِ ثقہ کہتے ہیں۔ البتہ بعض لوگ اسے مخالفت سے بھی تعبیر کر دیتے ہیں، لیکن فی الحقیقت اس میں مخالفت والی بات نہیں ہوتی ہے۔

زیادتِ ثقہ فی نفسہٖ ضعف کی دلیل قطعاً نہیں ہے، بلکہ زیادت کے ساتھ ساتھ دیگر قرائن دیکھے جاتے ہیں۔ اگر قرائن کسی زیادت کو رد کرنے پر دلالت کریں تو بے شک زیادت کو رد کر دیا جاتا ہے، لیکن اگر زیادتِ ثقہ کو رد کرنے پر قرائن سرے سے موجود ہی نہ ہوں تو محض زیادتِ ثقہ کو بنیاد بنا کر حدیث کی تضعیف قطعاً نہیں کی جاتی۔

بطور مثال عرض ہے کہ صحیح بخاری رقم (۸۲۸) میں ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے نماز کا طریقہ بتلایا ہے۔ صحیح بخاری کی اس حدیث میں صرف تکبیرِ تحریمہ کے وقت ہی رفع الیدین کا ذکر ہے، لیکن یہی حدیث ابو داود رقم (۷۳۰) میں بھی ہے اور اس میں اسی حدیث کے اندر چار مقامات پر رفع الیدین کا ذکر ہے تو کیا یہ کہہ دیا جائے کہ ابو داود والی حدیث صحیح بخاری کی حدیث کے خلاف ہے، اس لیے ضعیف ہے؟

بلکہ خود بوقتِ ذبح ذکر و دعا سے متعلق دیگر احادیث ہی دیکھ لیں، صحیحین کی ایک حدیث میں صرف تکبیر وتسمیہ کا ذکر ہے، جبکہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں «اللهُمَّ تَقَبَّلُ مِنْ» کا بھی ذکر ہے۔[1] اب کیا مؤخر الذکر حدیث کو صحیحین کی حدیث کے خلاف بتا کر اسے رد کرنا صحیح ہو گا؟ ہرگز نہیں! کیوں کہ یہاں اس زیادت کو رد کرنے کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔ ٹھیک اسی طرح جابر رضی اللہ عنہ کی زیرِ بحث حدیث میں بھی

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۹۶۷)

زیادت کو رد کرنے کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔

نیز کسی حدیث میں زیادتِ ثقہ کی بحث عموماً عین اسی حدیث کے دیگر طرق کی بنیاد پر ہوتی ہے اور زیرِ بحث جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جو دوسرا طریق ہے جس میں مختصر ذکر و دعا کا ذکر ہے، وہ درجہ وقوت میں زیرِ بحث حدیث سے کم تر ہی ہے۔ اس لیے کمتر درجہ کی سند سے آنے والی چیز اعلیٰ درجے کی سند سے آنے والی چیز کے لیے قادح نہیں ہو سکتی۔

زیرِ بحث حدیث کے شواہد:

آخر میں بطور فائدہ یہ بھی معلوم ہو کہ زیرِ بحث حدیث کے بعض شواہد بھی ملتے ہیں، لیکن یہ شواہد سب کے سب ضعیف، بلکہ بعض سخت ضعیف ہیں۔ ملاحظہ ہو:

پہلا شاہد:

ابو مسلم محمد بن احمد الکاتب رحمہ اللہ نے کہا:

"حدثنا أبو بكر عبد الله بن سليمان بن الأشعث السجستاني، ببغداد، ثنا عيسى بن حماد زُغبة، أنا الليث، عن يزيد، عن خالد بن كثير، أن علياً كان إذا وجَّه ذبيحته قال: ﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ [الأنعام: ٧٩]، ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ [الأنعام: ١٦٢۔ ١٦٣]، اللهم منك ولك يا الله والله أكبر"[1]

یاد رہے کہ یہ روایت گرچہ موقوف ہے، لیکن بوقتِ ذبح دو مقام کی آیات کو

[1] مجلس من أمالي أبي مسلم الكاتب (ق ٢٦٠/ أ، ب)

ایک ساتھ پڑھنا یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے جس میں اجتہاد کا دخل ہو، لہٰذا یہ حکماً مرفوع ہے اور جب حکماً مرفوع ہے تو مرفوع حدیث کے شاہد کے طور پر اس کا پیش کرنا بھی درست ہے جیسا کہ اہلِ علم کے یہاں یہ بات معروف ہے۔ واضح رہے کہ ہمارے نزدیک یہ شاہد ضعیف ہے، لیکن اس درجے کی ضعف والی روایات شواہد کے باب میں قابلِ قبول سمجھی جاتی ہیں۔

دوسرا شاہد:

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ إِسْحَاقَ الْفَقِيهُ، ثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ قُتَيْبَةَ، ثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ثَنَا النَّضْرُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْبَجَلِيُّ، ثَنَا أَبُو حَمْزَةَ الثُّمَالِيُّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، قَالَ: يَا فَاطِمَةُ قُومِي إِلَى أُضْحِيَّتِكِ فَاشْهَدِيهَا فَإِنَّهُ يُغْفَرُ لَكِ عِنْدَ أَوَّلِ قَطْرَةٍ تَقْطُرُ مِنْ دَمِهَا كُلُّ ذَنْبٍ عَمِلْتِيهِ وَقُولِي: ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ [الأنعام: ١٦٢- ١٦٣]، قَالَ عِمْرَانُ: قُلْتُ:يَا رَسُولَ اللَّهِ! هَذَا لَكَ وَلِأَهْلِ بَيْتِكَ خَاصَّةً فَأَهْلُ ذَاكَ أَنْتُمْ أَمْ لِلْمُسْلِمِينَ عَامَّةً؟ قَالَ: لَا بَلْ لِلْمُسْلِمِينَ عَامَّةً هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ"[1]

اس روایت میں مشہود لہ کے مکمل الفاظ نہیں ہے، لیکن ایک آیت مذکور ہے اور

[1] المستدرك على الصحيحين للحاكم (٤/ ٢٤٧)

یہاں جو یہ ہے کہ ”قولي“اس سے ظاہر ہے بوقتِ ذبح یہ کہنے کا حکم ہے، بلکہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی بابت ایک اور روایت اسی مفہوم کی منقول ہے جس میں بوقتِ ذبح ان الفاظ کے کہنے کی صراحت ہے کما سیأتي، لیکن یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

تیسرا شاہد:

”وروي عن رسول اللهﷺ أنه قال لعائشة رضي الله عنها: قُومِي إلى أُضحِيَتِكِ وَاذْبَحِي وَقُولِي: ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ [الأنعام: ١٦٢]“[1]

یہ روایت بھی ماقبل میں مذکور روایت ہی کی طرح ہے، لیکن اس کی سند پر میں واقف نہیں ہوسکا۔ یہ تمام شواہد ضعیف ہیں، انھیں ہم نے معلومات کے لیے ذکر کر دیا ہے، ورنہ زیرِ بحث حدیث کی تصحیح کے لیے ان کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ زیرِ بحث حدیث اصلاً اپنی سند سے ہی ثابت اور صحیح ہے۔ والحمد لله.

ابوالفوزان کفایت اللہ سنابلی

۲۹/ شعبان/ ۱۴۴۰ مطابق ۵/مئی/ ۲۰۱۹

[1] تفسير السمرقندي (١/ ٥٠٠)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا قربانی انسانوں کے نام پر ہوتی ہے؟

(ایک شبہ کا ازالہ)

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عقیقہ میں بچے کے نام پر جانور ذبح کیا جاتا ہے، اسی طرح قربانی کا جانور بھی کسی کے نام سے ذبح ہوتا ہے، جب قربانی کا جانور ذبح کرنے کے لئے کسی مولوی کو بلایا جاتا ہے تو وہ پوچھتا ہے کہ کس کے نام سے ذبح کرنا ہے۔

لہٰذا جب قربانی کا بکرا ہما شما کے نام پر ذبح کیا جاسکتا ہے تو کسی ولی اور بزرگ کے نام پر کوئی بکرا کیوں نہیں ذبح کیا جاسکتا؟؟؟

جواباً عرض ہے کہ:

☆ایک چیز ہے کسی کے نام پر ذبح کرنا۔

☆اور ایک چیز ہے کسی کی طرف سے ذبح کرنا۔

دونوں میں بڑا فرق ہے، قربانی کا جانور مخلوق میں کسی کے نام پر نہیں بلکہ کسی کی طرف سے ذبح کیا جاتا ہے، چنانچہ دعائے قربانی میں جہاں نام پڑھا جاتا ہے وہاں کے الفاظ ہوتے ہیں:

''اللھم تقبل من.....فلان.....''

''من فلان'' یعنی ''فلاں کی طرف سے قربانی قبول فرما''

رہی بات کسی کے نام پر قربانی کرنے کی تو قربانی صرف اور صرف اللہ کے نام پر ہی

ہوتی ہے چنانچہ دعائے قربانی میں اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہوئے یہ الفاظ پڑھے جاتے ہیں:

"باسم الله ، الله اکبر"

"بسم الله" یعنی اللہ کے نام پر"

عقیقہ کا بھی یہی مسئلہ ہے کہ عقیقہ بھی صرف اللہ ہی کے نام پر ہوتا ہے اور بچے کی طرف سے ہوتا ہے نہ کہ بچے کے نام پر۔

اب آتے ہیں مشرکانہ ذبیحہ کی طرف:

مشرکین واہل بدعت کے ذبیحہ کی حرمت دو وجوہات کی بنا پر ہے:

☆**پهلی وجه:**

غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا، یعنی بوقت ذبح اللہ کا نام لینے کے بجائے کسی اور کا نام لینا۔

☆**دوسری وجه :**

بوقت ذبح اللہ کے نام سے تو ذبح کیا جائے مگر اللہ کے لئے ذبح نہ کیا جائے:

یعنی ذبیحہ پیش کرنے کا مقصد اللہ کی خوشنودی کے بجائے کسی غیر اللہ کی خوشنودی مطلوب ہو، یا اللہ کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کی بھی خوشنودی مقصود ہو۔

یہ صورت بھی حرام ہے اللہ کے نبی ﷺ وسلم فرماتے ہیں:

"لَعَنَ اللهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللهِ"

"اللہ کی لعنت ہو جو غیر اللہ کی لئے جانور ذبح کرے" [صحیح مسلم ۱۹۷۸]۔

کسی ولی اور بزرگ کی طرف منسوب جو ذبیحہ پیش کیا جاتا ہے اس کے حرام ہونے کی یہی وجہ ہے کہ وہ گرچہ بوقت ذبح اللہ کے نام پر ہی ذبح کیا جاتا ہے مگر اس کا مقصد اس ولی اور بزرگ کی خوشنودی ہوتی ہے، یا اللہ کی خوشنودی کے ساتھ ساتھ اس ولی اور بزرگ کی

بھی خوشنودی بھی مقصود ہوتی ہے۔

جبکہ قربانی وعقیقہ کے جانور میں یہ بات نہیں ہوتی یعنی قربانی وعقیقہ کا جانور **"اللہ کے نام پر"** ذبح ہونے کے ساتھ ساتھ صرف اور صرف **"اللہ کے لئے ہی"** ذبح ہوتا ہے۔

اصل غلط فہمی کی وجہ غلط تعبیر ہے ، اکثر قربانی کے موقع پر لوگ یہی کہتے ہیں کہ اس بار قربانی فلاں کے نام پر ہوگی ، یا بعض مولوی جو دوسروں کا جانور ذبح کرنے جاتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ کس کے نام سے قربانی کرنا ہے۔

حالانکہ یہ تعبیر غلط ہونے کے ساتھ ساتھ گمراہ کن بھی ہے ، ایسا کہنے کے بجائے یوں کہنا چاہئے کہ فلاں کی طرف سے قربانی ہوگی ، یا کس کی طرف سے قربانی کرنی ہے، اگر لوگ اس سلسلے میں غلط تعبیر کو چھوڑ کر صحیح تعبیر استعمال کریں تو ساری غلط فہمی خود بخود دور ہوجائے گی۔

سب نے ایک روایت سنی ہوگی کی اللہ کے نبی ﷺ نے اپنی امت کی طرف سے قربانی کی ۔

یہاں پر کوئی نہیں کہتا کہ آپ ﷺ نے امت کے نام پر قربانی کی ، یہی تعبیر ہر جگہ استعمال کرنی چاہئے۔

اسی طرح قربانی کے دنوں میں ایک سوال بار بار اٹھتا ہے کہ میت کی طرف سے قربانی جائز ہے کہ نہیں ۔

یہاں پر بھی کوئی نہیں کہتا ہے کہ میت کے نام پر قربانی جائز ہے یا نہیں ۔

الغرض ان دو مثالوں میں ہم جو تعبیر استعمال کرتے ہیں اگر یہی تعبیر ہر جگہ استعمال کریں تو غلط فہمیاں پیدا ہی نہ ہوں گی ۔